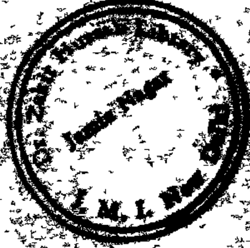
نوائے ادب



انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ

۹۲، ڈاکٹر ڈی این روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱

انجمن اسلام کی مجلس عاملہ

صدر

ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا

•

نائب صدر	نائب صدر	نائب صدر
جناب مصطفیٰ فقیہ	محترمہ ہمائے پیر بھائی	جناب عزیز احمد بھائی

جائنٹ سیکرٹری	اعزازی جنرل سیکرٹری	جائنٹ سیکرٹری
جناب یوسف مراد	جناب عبدالمجید ای پالکا	جناب عبدالستار رری والا

• •

اعزازی خازن

جناب عبداللہ فقیہ

•



اراکین

جناب کے ضیاءالدین	محترمہ زلیخا مرچنٹ	جناب عبدالستار عمر
جناب مامون لقمانی	جناب فیض حسن والا	جناب ہاشم اسماعیل
پروفیسر عبدالقادر اے قاضی		پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

• • •

اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کمیٹی

چیرمن

جناب مصطفیٰ فقیہ

•

اراکین

جناب عبدالمجید ای پالکا — جناب عبدالستار رری والا

پروفیسر عبدالقادر قاضی

•

سیکرٹری

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

• • •

اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام سے تا حال ڈائرکٹران

پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی (۱۹۴۷ سے ۱۹۶۸ع)

پروفیسر سید طاہرالدین مدنی (۱۹۶۹ سے ۱۹۷۴ع)

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر (۱۹۷۵ سے جاری)

نوائے ادب ممبئی

ششماہی

مدیر

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

•

جلد ۳۴ — شمارہ ۱

اپریل ۱۹۸۴ء

مندرجات

فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

نوائے ادب، بمبئی

Registration No. 32009/50

رجسٹریشن نمبر ۳۲۰۰۹/۵۰

مقام اشاعت : انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱

نوعیت اشاعت : ششماہی

نام پرنٹر : جناب عبدالمجید پالکا، بی، کام (آنرز)

قومیت : ہندوستانی

پتہ : انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱

نام پبلشر
قومیت
پتہ
ایضاً

نام ایڈیٹر : پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

قومیت : ہندوستانی

پتہ : انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱

نام پتہ مالک رسالہ : ایضاً

میں عبدالمجید پالکا تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم میں صحیح ہیں۔

عبدالمجید ای پالکا

• • •

All remittanees & correspondence be made to
Prof. N. S Gorekar, MA, PhD, D Litt
Director
Anjuman-i-Islam Urdu Research Institute
92 Dadabhoy Nawroji Road, Bombay 400 001

•

Annual Subscription
Inland : Rs. 15.00 • Foreign : Pound 4

پروفیسر کلیم سہسرامی
راجشاہی یونیورسٹی ، راجشاہی
(بنگلا دیش)

رسالۂ جہادیہ[1]

مولانا عبدالسلام ندوی[2] کا یہ خیال کہ « اردو شاعری کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا اور ایک مدت تک مذہبی خیالات شاعری کا جزو غالب رہے » . . . . بڑی حد تک درست ہے ، کیوں کہ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں نظم و نثر دونوں اصناف میں شاعروں کے علاوہ صوفیوں ، درویشوں اور مذہبی[3] رہنماؤں نے اپنی بساط بھر حصہ لیا ، اردو شاعری میں مثنوی اور مرثیہ دو ایسی صنفیں ہیں جن میں مذہبی جذبات و خیالات کو پیش کرنے کی بڑی گنجائش ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شاعروں اور عالموں نے حسب ضرورت اس سے فائدہ اٹھایا ، چناں چہ زیر نظر مضمون میں جس رسالے کی تفصیل پیش کی جائے گی اس کا تعلق ایک طرف مذہبی شاعری سے ہے اور دوسری طرف « تحریک جہاد » سے ہے ، تحریک جہاد کیا تھی ؟ اس کا بانی کون تھا ؟ ہندوستان میں اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی ؟ اور اس کے مقاصد کیا تھے ؟ ان امور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ قاری پس منظر سے واقف ہوسکے اور « رسالۂ جہادیہ » پر جب بحث کی جائے تو تفصیلات سمجھ میں آسکیں

---

۱ پروفیسر اختر اُرینوی سابق صدر شعبۂ اردو ، پٹنہ یونیورسٹی اپنی کتاب « بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا » میں لکھتے ہیں — « مجھے چند مطبوعہ رسالے مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری سے ملے ، دو رسالے ایک ساتھ چھپے ہیں اور تین رسالے ایک ساتھ (ص ۴۱۱) . . . دوسرے مجموعے میں پہلا رسالہ « بہار بامعنی » ہے ، یہ صفحہ ۴ کے وسط تک ہے . . . بعد ازیں « رسالۂ جہادیہ » شروع ہوتا ہے ، یہ منظوم ہے اور صفحہ ۴ کے وسط سے صفحہ ۷ تک پھیلا ہوا ہے . » (ص ۴۱۲)

. پروفیسر صاحب موصوف مزید تحریر کرتے ہیں کہ — « رسالوں کے دوسرے مجموعے کے مؤلف کے بارے میں کوئی علم حاصل نہ ہوسکا ، اغلب یہی ہے کہ یہ رسالہ اہل صادق پور میں سے کسی کا لکھا ہوا ہے . »

(باقی صفحہ دیگر)

انیسویں صــدی میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے دوش بدوش مسلمانوں کی مرکزیت میں انتشار پیــدا ہوگیا، چناں چہ برصغیر ہند و پاک کے مسلمان مختلف سماجی، معاشی اور مذہبی بحران میں مبتلا ہوگئے، اس عہد کے مسلم اکابرین اس امر کی سعی بلیغ کرتے رہے کہ معاشرے میں اسلام کی اصل روح کو بیدار کیا جائے اور معاشی و مذہبی اصلاحات نافذ کی جائیں تحریک جہاد جس کے زیر اثر بہت ساری اصلاحات وجود میں آئیں، انیسویں صدی کی نمایاں تحریک سے عبارت ہے جس کا آغاز ۱۸۱۸ع میں ہوا۔

آپ اسے تحریک جہاد کہیں یا ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک سے تعبیر کریں دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں، اس کے بانی حضرت سید احمد شہید ہیں جن کی ولادت ۱۲۰۱ھ (مطابق ۱۷۸۶ع) میں ہوئی، یہ نیم سیاسی و نیم مذہبی تحریک تھی، حضرت سید احمد شہید کے فرمودات اور حالات زندگی سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ ان کے پیش نظر ہندوستان میں اسلامی حکومت کی تجدید و تشکیل تھی، اسلامی نقطۂ نظر سے انھوں نے سکھوں اور انگریزوں دونوں کو اسلام کا دشمن سمجھا، لیکن بطور مصلحت پہلے سکھوں سے نبرد آزما ہوئے، کیوں کہ وہ تعداد میں کم تھے اور ان کی شہادت[۴] کے بعد انگریزوں کے خلاف ان کے معتقدین نے اعلان جہاد کیا، بعض مؤرخین کا یہ خیال درست نہیں کہ مجاہدین خفیہ طور پر سلطنت برطانیہ سے ملے ہوئے تھے، تحریک جہاد سے قبل حضرت شاہ

مندرجہ بالا تحریر سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

(الف) ان کا رسالہ مطبوعہ ہے، لیکن انھوں نے سنہ طباعت درج نہیں کیا۔

(ب) ان کی نظر سے «رسالۂ جہادیہ» کا جو نسخہ گزرا ہے، اس کی ضخامت ۱/۲ ۳ صفحے ہے، برخلاف اس کے میرا نسخہ ۶ صفحات پر مشتمل ہے، معلوم نہیں ان کے نسخے میں اشعار کی تعداد کیا ہے؟

(ج) یہ رسالہ علمائے صادق پور میں سے کسی کی تصنیف ہے۔ میرا خیال ہے کہ میرا نسخہ ان کے نسخے سے قدیم ہے، کیوں کہ قلمی اور بوسیدہ ہے۔

۲ عبدالسلام ندوی : شعر الہند، مطبوعہ دار المصنفین، (اعظم گڑھ ۱۹۵۴ع) جلد دوم ص ۲۰۳۔ ۳ مولوی عبدالحق: ملاحظہ ہو «اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ»۔ ۴ حضرت سید احمد دہلوی کی شہادت ۱۸۳۱ع میں بالاکوٹ میں ہوئی۔

ولی اللہ دہلوی[1] اور ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبــدالعزیز دہلوی[2] نے بھی ہندوستان میں اسلام کے احیا و بقا کے لئے کوششیں کیں ، لیکن ان کی کاوشیں زبان اور قلم تک محدود رہیں ، بالفاظ دیگر آپ ان کی تحریک کو قلمی جہاد قرار دے سکتے ہیں ، اس کے برخلاف حضرت سید احمد شہید کی تحریک کا تعلق عملی جہاد سے تھا۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ آپ بڑی حد تک حضرت مجدد الف ثانی[3] رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی سے متاثر تھے ۔ اور شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر[4] کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے ، چناں چہ اس مکتبۂ فکر سے گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے آپ کی علمی اور عملی سرگرمیاں بھی اسلامی تحریک کی صورت میں نمایاں ہوئیں ۔

بعض مؤرخــین کا خیال ہے کہ آپ کی تحــریک جہاد کا تعلق محمــد[5] ابن عبدالوہاب نجــدی سے ہے ، اس لئے اس کو وہابی تحریک کے نام سے موسوم کرتے ہیں ، حــال آں کہ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ خیال بالکل بے بنیاد اور صریحاً غلط ہے البتہ اس کا امکان ہے کہ قیام عرب کے زمانے میں وہابی تحریک کے بعض معتقدین سے آپ کا تعلق رہا ہو لیکن اسے اس بات پر محمول کرنا کہ تحریک جہاد ، وہابی تحریک سے متاثر ہے یا اس کی ایک شاخ ہے ، درست نہیں ، آپ کے قیــام عرب کے زمانے میں وہابی تحریک بہت کمزور ہوچکی تھی ، اس لئے اس سے متاثر ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ، اور مزید ثبوت یہ ہے کہ حــج

۱ متوفی ۱۱۷۶ ھ ۲ متوفی ۱۲۳۹ ھ ۳ متوفی ۱۰۳۵ ھ ۴ متوفی ۱۲۳۲ ھ

۵ محمد ابن عبــدالوہاب نجدی (۱۱۱۴ - ۱۲۰۶ ھ) کا شمار وہابی تحریک کے بانی کی حیثیت سے کیا جاتا ہے ، اگرچہ ان کی تصنیف «کتاب التوحید» اور حضرت شاہ اسمعیل دہلوی کی «تقویۃ الایمان» کے مندرجات تقریباً یکساں ہیں لیکن دونوں میں بنیادی فرق ہے ۔ اسی طرح یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت سید احمــد شہید کی «تحریک دعوت تجدید و جہاد» محمد ابن عبدالوہاب کی «تحریک التوحید و الاصلاح» سے متاثر ہے ، میرے خیال کی تائید مولانا مسعود عـالم ندوی مرحوم کی اس رائے سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب «ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک» (ص ۲۳) میں بیان کی ہے ۔ حضرت سید احمد شہید کی «تحریک جہاد» غلط طور پر «وہابی تحریک» کا نام دینے میں یورپین مصنفین کا سب سے زیادہ حصہ ہے اور یہی اس کے ذمہ دار ہیں ۔

بیت اللہ تشریف لے جانے سے قبل ہی حضرت سید احمد شہید نے اس تحریک کے بارے میں اپنے خیالات کی وضاحت کردی تھی ۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بھی بیجا نہ ہوگا کہ آپ کے مکہ معظمہ تشریف لے جانے سے قبل[1] وہابی تحریک کے معتقدین صوبۂ حجاز سے جلا وطن کردئے گئے تھے ، اس کے علاوہ تحریک جہاد اور وہابی تحریک میں جو نمایاں فرق ہے اسے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ محمد ابن عبدالوہاب نجدی نے « تقلید » اور « تصوف » کو صریحاً غلط سمجھا اور اس کے برخلاف حضرت سید احمد شہید نے ان دونوں امور کے سلسلے میں اعتدال پسندی کو راہ دی البتہ بدعت اور سماجی برائیوں کے خلاف جہاد ، ان دونوں تحریکوں میں مشترک ہے ۔ تحریک جہاد کے آغاز اور بنیادی تصورات کے تذکرے کے بعد « رسالۂ جہادیہ » کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں ۔

یہ قلمی رسالہ ایک دوست کی وساطت سے جناب امیر آروی مرحوم ، سکریٹری « طاق بستان » آرہ نے مجھے برسوں پہلے بھجوا دیا تھا ، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مسلمانوں میں اسلامی جوش و جذبہ کی تحریک اور کفار کے خلاف جہاد ترغیب دینے کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ، اور اس میں یہ بتایا گیا کہ جہاد ان پر فرض ہے ، اس مقصد کی وضاحت سے قبل مصنف نے جہاد کی تعریف یوں بیان کی ہے ۔

واسطے دیں کے لڑنا ، نہ پئے طمع بلاد　　اہل اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد
فرض ہے تم پہ مسلمانو ، جہاد کفار　　اس کا ساماں کرو جلد اگر ہو دیں دار

رسالے کی ظاہری ہیئت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نہایت قدیم ہے کیوں کہ اس کا کاغذ بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے ، کافی عرصہ گزرنے کی وجہ سے کاغذ کا رنگ زرد پڑگیا ہے اور اس پر جو تاریخ کتابت درج ہے اس سے اس

---

۱ ڈبلو ، ڈبلو ، ہنٹر کا خیال ہے کہ ۱۸۱۳ سے ۱۸۳۰ عیسوی تک کوئی وہابی عرب مکہ میں آزادانہ طور طور پر نہیں چل پھر سکتا تھا کیوں کہ سر راہ اسے ذلیل کیا جاتا تھا لیکن حضرت سید احمد شہید جب ۱۸۲۲ ع میں حج کے لئے وہاں تشریف لے گئے ، تو آٹھ مہینے قیام پذیر رہے لیکن انہیں کسی قسم کی مزاحمت پیش نہ آئی

کی قدامت ۱۵۰ سال ٹھہرتی ہے یعنی آخر میں تاریخ تدوین کی عبارت اس طرح درج ہے :

« تمام شد رسالۂ جہادیہ مؤرخہ بیستم شوال المکرم ۱۲۵۳ ہجریہ مقدسہ »

اور اس کا آغاز و اختتام بھی اسلامی طریقے سے ہوتا ہے، یعنی شروع میں یہ کلمات لکھے ہیں :

« ھـــو اللہ تعالی ۔ بسم اللہ الرحمـــن الرحیم »

اور آخر میں یہ کلمات درج ہیں : « آمین یا رب العالمین » . لیکن اس پر کہیں نہ کاتب کا نام درج ہے اور نہ مصنف کا، البتہ جس روشنائی سے کتابت ہوئی ہے اسی روشنائی سے اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں : « مالک یوسف حسن » . رسالے پر شاعر کا نام نہ لکھنے کا مقصد ممکن ہے یہ ہو کہ حکومت کو اس کا اندازہ نہ ہوسکے کہ اس کا مصنف کون ہے ؟ کیوں کہ حکومت برطانیہ اس تحریک سے تعلق رکھنے والوں کو مشکوک نظروں سے دیکھتی تھی، ہاں، آخری شعر سے یہ پتا چلتا ہے کہ مصنف شاہ تخلص کرتا تھا، وہ شعر یہ ہے :

ہند کو اس طرح اسلام سے بھردے اے شاہ　　کہ نہ آئے کوئی آواز جز اللہ اللہ !

اس رسالے کی ضخامت صرف چھ صفحہ ہے اور اس میں اشعار کی تعداد کل ۵۷ ہے، پہلے صفحے میں ٦ شعر، چھٹے صفحے میں سات شعر، اور ۲، ۳، ۴، اور ۵ میں سے ہر ایک صفحے میں گیارہ گیارہ شعر ہیں، اس کی تقطیع چھوٹی یعنی اسکول کی کتابوں کے برابر ہے اور ہر صفحے پر دوہری جدول بنی ہوئی ہے، اشعار کا انداز عام مثنوی کی طرح ہے یعنی ہر شعر میں قافیے الگ الگ استعمال کئے گئے ہیں، ابتدا میں حمد و نعت کے بعد اصل مقصد پر زور قلم صرف کیا گیا ہے، کہیں مجاہد کی تعریف کی گئی ہے اور کہیں غازی کی اور کہیں شہادت کے درجے کی عظمت پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ گھر، دروازہ اور بیوی بچوں پر اللہ کی راہ میں جہاد کو ترجیح دی گئی ہے، مسلمانوں کو آرام و راحت اور گوشۂ عافیت کی زندگی ترک کرنے کی ترغیب و تلقین کی گئی ہے ۔ اس رسالے کے اختصار کی ایک وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ بہ آسانی ضبط تحریر میں لایا جاسکے،

اور عام مسلمان طبقہ کم وقت میں اول سے آخر تک اس کا مطالعہ کرسکے تاکہ تبلیغ دین کا مقصد حاصل ہو ، طوالت سے یہ مقصد پورا نہ ہوتا ، اس رسالے میں ایسے اشعار بھی ہیں جن سے وثوق کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس کا تعلق تحریک جہاد سے ہے مثلاً ذیل کے اشعار سے اس تحریک کے مقصد کی وضاحت ہوتی ہے ۔

جو مسلمان رہ حق میں لڑا لحظہ بھر / روضۂ خلد بریں ہوگیا واجب اس پر
اب تو غیرت کرو ، نامردی کو چھوڑو یارو / اب امام اپنے سے مل جلد ہو ، کافر مارو
جو کہ مال اپنے سے ، غازی کو بتادے اسباب / اس کو بھی مثل مجاہد کے ، خدا دے گا ثواب
حق تعالیٰ کو مجاہد تو بہت بھاتے ہیں / مثل دیوار جو صف باندھ کے جم جاتے ہیں
اے مسلمانو ! سنی تم نے جو خوبی جہاد / چلو اب رن کی طرف ، مت کرو گھر بار کو یاد

تحریک جہاد کی وضاحت کرتے ہوئے تمہیدی حصے میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ اسلام کے لئے راہ حق میں جنگ کرنا اور گروہ بنا کر ایک شخص کو امام تصور کرلینا ، اس تحریک کے اولیں اصول میں داخل ہے ، اس سلسلے میں ذیل کے اشعار سے اس امر کی مزید تائید ہوجائے گی کہ اس رسالے کا تعلق بلا شک و شبہ اس تحریک سے ہے جس کے بانی حضرت سید احمد شہید تھے ، آپ کی ولادت ۱۲۰۱ھ میں ہوئی ، جس کی طرف شعر میں صرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بارہ سو برس بعد مسلمانوں میں ایک ایسی شخصیت وجود میں آتی ہے جس کا تعلق پیغمبر اسلام کے خانوادے سے ہے اور جسے مسلمانوں کی سرداری (امامت) کا فخر حاصل ہے لیکن نام کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے ، اشعار ملاحظہ ہوں :

بارہ سو برس کے بعد ایسے ارادے والا / ہوا پیدا ہے ، مسلمانو ! کرو شکر خدا
تھے مسلمان پریشان بغیر از سردار / ہوا سردار ہے از آل رسول مختار

اس رسالے پر چونکہ مصنف کا نام درج نہیں ہے ، اس لئے کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا ، لیکن جہاں تک زبان ، بیان ، مصرعوں کی ساخت اور اسلامی جوش جہاد کا تعلق ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے قیاس یہ ہے کہ علمائے صادق پور (پٹنہ) یا مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی صادق پوری

کے گروہ سے تعلق رکھنے والے کسی مولوی صاحب کی تصنیف ہے جنھیں فن شاعری سے صحیح طور پر واقفیت نہیں، رسالے پر جو سال کتابت درج ہے اسی زمانے میں صادق پوری علماء کی تحریک جہاد زوروں پر تھی ، چناں چہ ثبوت کے طور پر چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں اعراب کی غلطی کی مثال :

سب عُمَر بھر کے گناہ شہدا دھلتے ہیں کیوں نہ ہو راہ خدا (؟) ان کے ہی سر کٹتے ہیں

حرف کا تقطیع سے خارج

پیشوا لوگ اسی طور جو کرتے نہ جہاد ہند پھر کس طرح اسلام سے ہوتا آباد

گنگا جمنی ترکیب کا استعمال .

ایک دن تجھ سے یہ دنیا کا مرا چھوٹے گا لشکر مـــوت ترا ملک بدن لوٹے گا

شتر گربہ کی مثال .

دوستو جب تمہیں مرنا ہی مقرر ٹھہرا پھر تو بہتر ہے کہ جان دیجئے در راہ خدا

پہلے مصرع میں لفظ « مقرر » سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ، دراصل « مقدر » ہونا چاہئے تھا ، یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ عام طور سے کتابت میں ان ہی اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو اس وقت کلکتے والے ٹائپ کے حرف میں برتے جاتے تھے ، یعنی یائے معروف اور یائے مجہول میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے مثلاً ہے = ہی ، اے = ای بعض حروف اس طرح لکھے گئے ہیں :

ڈ = دؔ ، ڑ = رؔ ، ٹ = تؔ ، حرکت سکون = ہ (بجائے ْ) ، وہ = وو (ہ کی بجائے و)

بہرکیف ، اس رسالے میں مسلمانوں کو راہ حق میں جہاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے ، انسان اس سے پہلے نہیں مر سکتا ، اس لئے موت سے ڈرنا اور جہاد سے کنارہ کشی اختیار کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں ، کیوں کہ موت آئیگی تو انسان گھر میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتا ، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سیکڑوں سپاہی جنگ پر جاتے ہیں اور خیر و عافیت کے ساتھ واپس چلے آتے ہیں ، اور بہت سارے لوگ گھر پر رہنے کے باوجود موت سے دوچار ہوتے ہیں ، چند اشعار اس سلسلے میں ملاحظہ کیجئے :

سیکڑوں جنگ میں جاتے ہیں، وہ پھر آتے ہیں
سیکڑوں گھر میں یوں رہتے ہیں وہ مر جاتے ہیں
موت کا وقت معین ہے، تو، سن اے غافل
پھر بھلا موت سے ڈرنے میں تجھے کیا حاصل
جب تلک موت نہیں ہے تو نہیں مرتے ہیں
موت جب آئی تو گھر میں بھی نہیں رہتے ہیں

اس رسالے کا اختتام مناجات پر ہوتا ہے جہاں چہ شاعر اس بات کی دعا کرتا ہے کہ مسلمانوں کو خدا جہاد کی توفیق دے۔

اہل ایمان کو کافی ہے دلا اتنا پیام
اب مناجات سے بہتر ہے کہ ہو ختم کلام
اے خداوند سماوات زمیں، رب عباد
اب مسلمانوں کو دے جلدی توفیق جہاد
اپنا دے زور، مسلمانوں کو، کر زور آور
وعدۂ فتح جو ہے ان سے کیا، پورا کر
ہند کو اس طرح اسلام سے بھر دے اے شاہ
کہ نہ آوے کوئی آواز جز اللہ اللہ

آخر میں یہ عرض کردینا بے جا نہ ہوگا کہ ادبی نقطۂ نظر سے «رسالۂ جہادیہ» کی کوئی خاص اہمیت نہیں، اس کی تصنیف تبلیغ دین تھا، البتہ مذہبی مثنویوں میں اس کا شمار ہوسکتا ہے اور اس سے ہندوستان میں مجاہدین اسلام کی سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہاں «رسالۂ جہادیہ» کا پورا متن درج کیا جاتا ہے۔

هو اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد تحمید خدا نعت رسول اکرم
یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم
واسطے دین کے لڑنا نہ پئے طمع بلاد
اہل اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد
ہے جو قرآن و احادیث میں خوبی جہاد
ہم بیاں کرتے ہیں تھوڑا سا اسے کر لو یاد
فرض ہے تم پہ مسلمانو جہاد کفار
اُسکا سامان کرو جلد اگر ہو دیندار
جسکے پیروں پہ پڑے گرد صف جنگ جہاد
وہ جہنم سے بھلا نار سے ہے وہ آزاد
جو مسلمان رہ حق میں لڑا لحظے بھر
روضہ خلد بریں ہوگیا واجب اُسپر
اے برادر تو حدیث نبوی کو سن لے
باغ فردوس ہے تلواروں کے سائے کے تلے
دل سے اس راہ میں پیسا کوئی دیویگا اگر
سات سو اُسکو خدا دیویگا روز محشر

اور اگر مال بھی خرچا و لگائے تلوار
پھر تو دیویگا خدا اُسکے عوض سات ہزار

جو کہ مال اپنے سے غازی کو بنا دے اسباب
اُسکو بھی مثل مجاہد کے خدا دیگا ثواب

جو نہ خود جاوے لڑائی میں نہ خرچے کچھ مال
اُس پہ ڈالیگا خدا پیشتر از مرگ وبال

جو رہِ حق میں ہوتے ٹکڑے نہیں مرتے ہیں
بلکہ وہ جیتے ہیں جنت میں خوشی کرتے ہیں

سب عمر بھر کے گناہ شہدا مٹتے ہیں
کیوں نہو راہ خدا اُنکے ہی سر کٹتے ہیں

فتنۂ قبر و غم صور و قیام محشر
ایسے صدموں سے شہدوں کو نہیں کچھ ڈر

حق تعالی کو مجاہد تو بہت بھاتے ہیں
مثل دیوار جو صف باندھکے جم جاتے ہیں

اے مسلمانو سنی تم نے جو خوبی جہاد
چلو اب رنکی طرف مت کرو گھر بار کو یاد

مال و اولاد و جورو کی محبت چھوڑو
راہ مولا میں خوشی ہو کے شتابی دوڑو

مال و اولاد تیری قبر میں آنیکی نہیں
تجھکو دوزخ کی مصیبت سے چھڑا ئیگی نہیں

گر پھرے جیتے تو گھر بار میں آؤگے
ور گئے مارے تو جنت میں چلے جاؤگے

دین اسلام بہت سست ہوا جاتا ہے
غلبۂ کفر سے اسلام مٹا جاتا ہے

پیشوا لوگ اسیطور نکرتے جو جہاد
ہند پھر کسطرح اسلام سے ہوتا آباد

زور تلوار سے غالب رہا اسلام مدام
سستی اگلے جو کبھی کرتے تو ہوتا گمنام

کب تلک گھر میں پڑے جوتیاں چٹکاؤگے
ایسی سستی کا جز افسوس نہ پھل پاؤگے

اب تو غیرت کرو نامردی کو چھوڑو یارو
اب امام اپنے سے مل جلد ہو کافر مارو

بارہ سو برس کے بعد ایسے ارادے والا
ہوا پیدا ہے مسلمانو کرو شکر خدا

تھے مسلمان پریشان بغیر از سردار
ہوا سردار ہے از آل رسول مختار

بات ہم کام کی کہتے ہیں سنو اے یارو
وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو

حضرت مولوی اب طاق میں رکھدیجئے کتاب
لیجئے تلوار و میدان کو چلدیجئے شتاب

وقت جانبازی ہے تقریر و نکات مت چھانٹو
غیر شمشیر کسیطرف کو دل مت بانٹو

ہادیٔ دین ہو تم تمکو ہے سبقت لازم
تم چلوگے تو بہت ساتھ چلینگے خادم

اے گروہ فقرا نفس کشی کے استاد
عمل نفس کشی کون ہے بہتر ز جہاد

مت گھسو کونے میں اے پیر جی مانند حجا
چھوڑو اب چلہ کشی وقت جہاد آپہنچا

اے جوانان اسد حملہ و رستم قوت
کام کس دن کو پھر آویگی تمھاری جرات

اُنکا سر کاٹ لیا یا کہ کٹا اپنا سر
دونو صورت میں جو سمجھو تو تمھیں ہے بہتر

یعنی گر مار لیا انکو تو پھر من آئے　　ور گئے مارے تو پھر حاصل شہادت پائیے
ایکدن تجھسے یہ دنیا کا مزا چھوٹیگا　　لشکر موت تیرا ملک بدن لوٹیگا
دوستو جب تمہیں مرنا ہی مقرر ٹھہرا　　پھر تو بہتر ہے جان دیجئے در راہ خدا
سینکڑوں جنگ میں جاتے ہیں وہ پھر آتے ہیں　　سیکڑوں گھر میں بھی رہتے ہیں وہ مر جاتے ہیں
موت کا وقت معین ہے تو سن اے عاقل　　پھر بھلا موت سے ڈرنے میں تجھے کیا حاصل
جب تلک موت نہیں ہے تو نہیں مرتے ہیں　　موت جب آئے تو گھر میں بھی نہیں بچتے ہیں
تم اگر ڈرتے ہو تکلیف سفر سے نڈرو　　مرد ہو خطرۂ آرام کو دل سے کھو دو
جیسی عادت کرے انساں سو ہو سکتا ہے　　عیش و آرام کی عادت کو بھی کھو سکتا ہے
طمع دنیا کے لئے دیکھو ہزاروں یہ سپاہ　　چھوڑ گھر سر کو کٹاتے ہیں نہیں کرتے آہ
ہے عجب یہ کہ مسلمان بھی کہلاتے ہو　　جھوٹھے حیلے رہ اللہ میں بتلاتے ہو
تم تو اسطور سے دنیا پہ بہت بھول گئے　　جورو و لڑکوں کی محبت میں خدا بھول گئے
جورو لڑکوں کیلئے گھر میں چھپو گے کبتک　　بچنا موت سے بتلاؤ بچوگے کب تک
آج اگر اپنی خوشی راہ خدا جاں دوگے　　پھر تو کل چین سے جنت کے مزے لوٹو گے
چھوڑو گے لذت دنیا کو اگر بہر خدا　　پھر تو جنت میں ہمیشہ ہی اڑاؤگے مزا
سر پٹک بیر رگڑ گھر میں کا مرنا بہتر　　یا رہ حق میں فدا جان کا کرنا بہتر
گر رہ حق میں نہ دو جاں تو پچھتاؤ گے　　اور پیمبر کو یہ منہ کیا بھلا دکھلاؤ گے
ایک ہے شرط کہ تم مانو بدل حکم امام　　ورنہ تلوار لگانا بھی نہیں آوے کام
جو کہ خود رائے بھی لڑنے لگے در راہ جہاد　　انکا ناحق یہ بہا خون ہے محنت برباد
خوب اللہ و محمد کو جو پہچانتے ہیں　　اپنے سردار کے کہنے کو بدل مانتے ہیں
اہل ایماں کو کافی ہے دلا اتنا پیام　　اب مناجات سے بہتر ہے کہ ہو ختم کلام
اے خداوند سماوات زمیں رب عباد　　اب مسلمانو کو دے جلدی سے توفیق جہاد
اپنا دے زور مسلمانو کو کر زور آور　　وعدۂ فتح جو ہے اُسسے کیا پورا کر

ہند کو اسطرح اسلام سے بھر دے اے شاہ
کہ نہ آوے کوئی آواز جز اللہ اللہ

آمین یا رب العالمین

تمام شد رسالۂ جہادیہ

مؤرخہ بیستم ۲۰ شوال المکرم ۱۲۵۳ ہجریہ مقدسہ

پروفیسر سید امیر حسن عابدی
شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی
نئی دہلی

دیـــوانِ پیام

محمد شرف الدین علی متخلص بہ پیام، اصلاً اکبر آباد کے رہنے والے اور سراج الدین علی خاں آرزو[1] کے شاگرد تھے نیز مرزا ابو تراب غبار[2] کے ہم طرح اور سولہ سال سے آنند رام مخلص[3] کے ساتھ رہتے تھے۔ مؤلف ریاض العارفین نے ان کو میر مگر خوشگو نے شیخ لکھا ہے خوشگو سے ان کے اچھے تعلقات تھے چنانچہ ایک روز مشاعرہ کے دن وہ خوشگو کے گھر آئے اور ان کے سفینہ میں اپنے ہاتھ سے یہ رباعی لکھی۔

گفتی لب لعلم آب حیوان دارد	بخشم بدلت چو خواہش آن دارد
مردم رغمش عطا کن اے عیسی دم	قول مردان شنیده ام جان دارد

اس لئے ان کا کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ مؤلف نتائج الافکار نے ان کا سال وفات ۱۱۵۰ھ (۸-۱۷۴۷ع) اور خوشگو نے ۱۱۴۰ھ (۸-۱۷۲۷ع) سے کچھ زیادہ لکھا ہے۔

نتائج الافکار میں پیام کے چھ شعر دئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو منتخب یہ ہیں:

نالہ می قصد مگر کوشش بفریاد من است	می تپد دل شاید آن بے رحم در یاد من است
اشک گرمم که ریش دوش بہ مژگان افتاد	آتشے بود که ناگه به نیستان افتاد

خوشگو نے اپنے سفینہ میں ایک رباعی کے علاوہ پیام کے بارہ شعر دئے ہیں جن میں سے کچھ انتخاب کرکے یہاں نقل کئے جارہے ہیں:

بعد مجنون دید سرکار محبت را خراب	عشق بخشید امتیاز میر سامانی مرا
تہمت ہستی جہان نقش نگین دل مکن	جملہ بنامزنده ایم ورنه کجاست زندگی

---

۱ ۱۱۰۱-۱۶۷۹/۱۱۶۹ھ-۱۷۵۵-۶ ع ۲ وفات ۱۱۵۰ھ/۳۸-۱۷۳۷ ع
۳ ۱۰۹۹-۱۱۶۵ھ/۱۶۸۷-۱۷۵۱ ع

ریاض العارفین میں ان کے پانچ شعر دئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے:

نہ ہمیں گل ہوای تو دل افگاری ہست　　　شعلۂ شوق تو در سینۂ پرخاری ہست

اس کے علاوہ ایک وہ بھی ہے جو نتائج الافکار کے دئے ہوئے شعروں میں پہلا شعر ہے

دیوان پیام کا ایک خوب صورت مطلا ومذہب قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے مجموعہ شیرانی میں موجود ہے [1] یہ نسخہ ۱۲۰۵ھ (۹۱-۱۷۹۰ء) میں سندھ میں میر کرم علی خان تالپور کے لکھا گیا تھا اور اس کا کاتب اسمعیل ہے خود کاتب کی عبارت یہ ہے

"حسب الامر . . . امیر عالی مقدار، شہریار والاتبار میر والاتدبیر، . میر کرم علی خان تالپر . . از دست فقیر اسمعیل بتاریخ یازدہم ماہ ذی حجہ ۱۲۰۵ھ باتمام رسید" . . .

اس نسخہ میں شروع میں قصیدے ہیں جو اس مطلع سے شروع ہوتے ہیں:

اے کرد رواں فضل تو دریائے کرم را　　　برداشتہ ز وجزر ومد لا ونعم را

پیام کے قصیدے چہاردہ معصومین کی منقبت میں کہے گئے ہیں۔ اس میں ایک مرثیہ بھی ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

دیدہ شد ماہ محرم ہائی ہائی　　　چون ننالد خلق عالم ہائی ہائی

ان کے بعد مخمس اور قطعے ہیں ایک قطعہ حضرت قنبر کی توصیف میں ہے۔ ایک اور قطعہ ہے جس میں کسی حکیم صوفی کی ہجو کہی گئی ہے۔ اس میں ایک مثنوی بھی ہے جو اس بیت سے شروع ہوتی ہے:

شنیدم باغبانے عاشق گل　　　شلائیں از شراب خون بلبل

قصہ کے بیچ میں ایک عشق نامہ بھی ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔

---

۱ ۱۶۱۸/۲۶۶۸

گفت پیش من شبے فرزانۂ یک جہان دلخراش افسانۂ

نیز حافظ[1] کی ایک غزل دی ہوئی ہے۔ اس کے بعد غزلیں ہیں جو اس مطلع سے شروع ہوتی ہیں:

الہی آبرو بخش جواہر کی بیانم را مرصع گرداں از سخن تیغ زبانم را

اس کے بعد رباعیات ہیں۔ جن کسی مغل کے اکبر آباد آنے۔ اصفہان اور شاہجہان آباد کا ذکر ہے۔

ہر گاہ مغل بہ اکبر آباد آید چوں حور جمالی وطنش یاد آید
قامتش چو کشاید بنوا حوای لب بر گ . . . . . بفرماید آید

گویند صفاہاں چمن ایجاد است ار کثرت خلق دا در رونق داد است
فرہنگ جہاں بچشم ارباب نظر جرو بست کہ از شاہ جہاں آباد است

ایک رباعی میں دکنی مغنی کا مذاق اڑایا گیا ہے

آن مسخرۂ مغنی الاصل کن بیجا شدہ است دشمن اہل سخن
گفتم بزنش چساں بود . . . مادر مادر تنم خواند بہ من

ایک رباعی میں خارجیوں کی مذمت اور ایک میں کسی مرثیہ خواں کی ملامت کی گئی ہے جو مرثیے میں ہندوستانی گانے گاتا تھا۔

خود را چو خارجی مسلماں داند حیران دلم از سجود پس ماند
کفر قلبش کجا رود از اوراد شمر چہ شد دعائی جوش خواند

آں مرثیہ خواں از رہ نادانی می خواند بنغمہائی ہندوستانی
گفتم خاموش این مقام ادب است آن بہ کہ بپردہ . . خوانی

آخر میں ایک چھوٹی سی مثنوی ہے۔ جس میں ایک سوئی اور درزی کا ذکر کیا گیا ہے اور جو اس طرح شروع ہوتی ہے:

سوزنی بر دست آں دردی پسر گفت روزے بامن از سوز جگر
رشتہ در گردنم افکندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

---

۱ وفات ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ع

دیوان پیام کے مطالعے سے ان کی زندگی کے کچھ خدوخال نمایاں ہوجاتے ہیں مثلاً اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ ان پر اپنے وطن سے دوری بہت شاق تھی:

درد شکستہ بالی مرغان دام را داند کسے پیام کہ گشت از وطن جدا

حسب ذیل شعر بتلاتا ہے کہ وہ شاہ چراغ کے مریدوں میں سے تھے۔

شوی پروانۂ ہر شمع روشن پیام امر است از شاہ چراغم

کسی نے «سنگ» ردیف پر غزل کہنے کی فرمائش کی تھی۔

زیں غزل طرحیت رازو گفتہ ام ورنہ پیام نیستم دیوانہ تا بزبان نمایم (مثل) سنگ

کسی میرزا سے بچھڑنے کا بہت افسوس ہوا تھا۔ اور شاید اس شعر میں ان کے انتقال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

از دل گم گشتۂ ما چند می پرسی پیام میرزائے درد مندے نکتہ دانے داشتیم

پیام کو اپنی شاعری پر فخر تھا جس کی شہرت بنگال تک پہنچ چکی تھی۔

رحم می آیدم . . . پیام شعر من می رود بہ بنگالہ

نیز ان کے اشعار میں انوری[1]، خاقانی[2]، حافظ، فغانی[3]، نظیری[4]، صائب[5]، شوکت بخاری[6]، اسیر[7]، آنند رام مخلص، ذبیح، اشرف، خواجہ باسط شہرت، عشقی وغیرہ کا بڑے احترام سے ذکر کیا گیا ہے اور انکے طرز کی پیروی کی گئی ہے۔ نیز ان کے مصرعوں پر مصرعے لگائے گئے ہیں۔

پیام اشعار من چوں خواند شوکت گفت ایں مصرعہ سحر گرد کسادے نیست کالائے زبانم را

پیام از حافظ شیراز کسب عشق از آں کردم کہ سالک بیخبر نہ بود زراہ رسم و منزل ہا

از پیام ما کہ باشد طوطی ہندوستان کیست تا عشق رساند بلبل تبریز را

رام مخلص شدہ بسیار عجب ورنہ پیام رمد از سایۂ خود ہم دل دیوانۂ ما

مستم از بادۂ اسیر پیام سر ساغر بگردن مینا

---

۱ وفات ۵۸۳ھ/۱۱۸۶ع ۲ وفات ۵۹۵ھ/۱۱۹۹ع ۳ وفات ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ع
۴ وفات ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ع ۵ وفات ۱۰۸۰ھ/۷۰-۱۶۶۹ع
۶ وفات ۱۱۰۷ھ/۶-۱۶۹۵ع ۷ وفات ۱۰۷۹ھ/۹-۱۶۶۸ع

کم ز محبوبہ نظم سیری نیست محبوبہ پیام	بر سر راہش بپنداریمد مکتوب مرا
چہ پرسی از پیام اے شہرت احوال جہان دوں	بہر صورت کہ می بایست ما دیدیم دنیا را
پیام وصف کلام ذبیح چند کنم	تکلمش زرہ گوش می بردد
غزل ببزم امیر از پیام می خوانی	پیالہ داد مگر باغبان اے بلبل
پیام از یاد مصراع فغانی عندلیب آسا	نہادم روی بر روی گل و زین انجمن رفتم
ماند یک ماہ چو اشرف بخرابات پیام	اتفاقاً رمضان بود نمی دانستم
چہ ممکن است چو صائب دگر پیام خورم می	قسم بہ ساقی کوثر کہ از شراب گذشتم
تو ہم اے پیام ماما چہ کسی نظیری آسا	خدا کہ واجب آمد زتو احتراز کردن
صائب از حصر کمال تو فروماندہ پیام	بدعائی کہ چنیں صاحب سامان شدۂ
خواجہ باسط بیار گفت پیام	کہ کسی راست با تو ہم چشمی

خاقانی کو وہ انوری سے بہتر سمجھتے تھے ۔

اے انوری از تو خوبتر خاقانی ست	زیرا کہ دل تو پر . . . را بانیست
از بسکہ پر از شور سر مدح و ذم است	دیوان تو چون کچہری دیوا نیست

ان کے یہاں کبھی کبھی توارد بھی ہوجاتا تھا مگر وہ سرقہ نہ تھا ۔

تواردی شود لیکن پیامم وچوں قلم ہرگز	ز دیوان کسے دانستہ نگرفت است مضمون را

پیام اصلاً شاعر غزل سرا ہیں ۔

از ازل دارم محبت با غزل	شاعرم دیبم غزل دنیا غزل

مگر ان کے اشعار عام طور سے متوسط درجہ کے ہوتے ہیں ۔ نیز ان میں تصنع اور آورد ہوتی ہے پھر بھی بہت سے اشعار بے حد رواں اور سلیس بھی ہوتے ہیں کچھ ایسے منتخب اشعار یہاں پیش کئے جارہے ہیں ۔

کنم نارام خوباں را ترا دلداری گفتم	برائے مصلحت ہمچوں توئی را یار می گفتم
حسد آں ماجرا زاہد کہ گہ در دیر و گہ مسجد	تو از تسبیح می گفتی، من از زنار می گفتم
می رم زاہد ز مسجد سوے دیرت غم مخور	گر خدا خواہد ترا ہم، ہمچو خود کافر کنم
بہ تن تنگ ولے نام را می شناسم	بہوش شیشہ و جام را می شناسم

مکش مہر من رنج صیاد ناداں قفس دیدمام، دام را می‌شناسم
شنیدم پیلم آمد از کعبہ گریاں من آں رند بدنام را می‌شناسم

پیام کے کلام میں ہندوستانی عناصر بھی دکھائی دیتے ہیں. جیسے ان اشعار میں بسنت، ہولی، مسی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے.

برسر یک رنگی آمد ،اپیام آں بسنتی پیشہ ہولی بازما
روزمسی مالیدہ ، دنداں کسی بودیم شاد پیش ازیں ماہم عجب لیل ونہاری داشتیم

• • •

(مترجم) ڈاکٹر تنویر احمد علوی
شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجمع البحرین

(تصنیف شہزادہ محمد داراشکوہ)

بنام او کہ او نامے ندارد   بہر نامے کہ خواہی سر بر آرد [1]

میں اس کے پاک نام سے ابتدا کر رہا ہوں جس کا کوئی نام نہیں اور تو جس نام سے بھی اسے پکارے گا وہ اپنی ازلی و ابدی صفات کے ساتھ اس میں جلوہ گر ہوگا۔

حمد بے حد اس ذات حق کے لئے ہے جو بے مثل و یکتا ہے اور جس نے کفر و اسلام کی زلفوں کو ایک دوسرے کے متقابل حلقہ ہائے جمیل کی طرح پیدا کیا ہے اور حسن کے روئے زیبا کے لئے، جو اپنے حسن یکتائی و زیبائی میں، بے مثل ہے ان میں سے کوئی بھی پردہ و حجاب نہیں

---

۱ یہ شعر حدیقۃ الحقیقت سے ماخوذ ہے جو حکیم سنائی غزنوی کی تصنیف ہے۔ داراشکوہ نے بھی اس مضمون کو اپنی ایک رباعی میں بیان کیا ہے

یک ذرہ نہ دیدم زخورشید جدا   ہر قطرۂ آب ہست عین دریا
حق را بچہ نام کس تواند خواندن   ہر نام کہ ہست، ہست از اسمائے خدا

میں نے ایک ذرہ کو بھی دنیا کو چمکانے والے سورج سے جدا نہیں پایا پانی کا ہر قطرہ دراصل عین دریا ہے حق سبحانہ وتعالے کا کوئی اسم بھی ایسا نہیں ہے جسے اسمائے الٰہیہ سے جدا کیا جاسکے مولینا جامی علیہ الرحمۃ کی ایک رباعی بھی انہیں معنی کی ترجمانی کرتی ہے۔

گہ بادہ و گہ جام خوانیم ترا   گہ دانہ و گہ دام خوانیم ترا
جز نام تو بر لوح جہان چیزے نیست   آیا بکدام نام خوانیم ترا

ہم تجھے کبھی بادہ کہتے ہیں کبھی جام سے تعبیر کرتے ہیں کبھی تجھے دانہ کہتے ہیں اور کبھی دام کہکر یاد کرتے ہیں لوح جہان پر تیرے نام کے سوا کوئی نقش موجود

وہ « ہمہ اوست » میں ظاہر اور « ہمہ ازوست » میں جلوہ گر ہے وہ سب میں ہے اور سب کچھ اس سے ہے وہی اول ہے وہی آخر اور اس کے سوا کوئی موجود نہیں

ہم سایہ وہم نشیں وہم رہ ہمہ اوست
دردلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع
باللہ ہمہ اوست و ثم اللہ ہمہ اوست[۱]

ہم سایہ وہم نشیں وہم راہ وہی ہے فقیر کی گدڑی اور بادشاہ کے لبادۂ اطلس میں اس کے سوا کوئی نہیں۔ تفریق کی انجمن اور جمعیت کے خلوت‌کدہ میں واللہ باللہ سوائے اسکے کوئی اور نہیں سب کچھ وہی ہے۔

درود محمود حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو حقیقت کے مظہراتم اور باعث ایجاد عالم ہیں) آپکی پاک اولاد اور مقدس اصحابؓ پر کہ اللہ پاک ان سب سے راضی ہوا۔

امابعد یہ فقیر بےحوف واندوہ محمد دارا شکوہ عرض کرتا ہے کہ صوفیا کے مسلک برحق کی تحقیق حقیقت الحقائق کے معنی مبارک تک رسائی اور تائید ایزدی کی بدولت اس عطیہ عظمی کو پانے کے بعد مجھے یہ جستجو ہوئی کہ میں ہندوستان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷

نہیں ۔ اب تو خود ہی بتلا کہ ہم تجھے کس نام سے پکاریں۔ (حیات العارفین ص ۵۴-۴۱)

مولینا محمد حسین آزاد کی تصنیف دربار اکبری صفحہ ۴۹۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو الفضل علامی نے اس شعر کو اس عمارت کے لئے انتخاب کیا تھا جو اکبر نے کشمیر میں تعمیر کرائی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ایک مشترکہ عبادت خانہ کے طور پر کام آتی تھی۔

کفر واسلام در رہش پویاں وحدہ لاشریک لہ گویاں

کفر واسلام اسکی راہ میں سر گرداں ہیں اور « وحدہ لاشریک لہ » اسکی زبان پر بے اختیارانہ جاری ہے

۱ یہ مولینا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمۃ کی رباعی ہے جسے دارا شکوہ نے حسنات العارفین (ص ۴۱) مولینائے مرحوم کی شطحیات کے سلسلہ میں نقل کیا ہے۔

کے موحدین کے متوں کو سمجھنے کی سعی کروں چنانچہ اس غرض سے میں نے اس قوم کے بعض اہل تحقیق اور اصحاب کمال کی صحبت اختیار کی اور ان سے مختلف مسایل پر تبادلہ خیال اور گفتگو کی یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے بےحد ریاضت ومجاھدہ اور غایت فہم وادراک کے ذریعہ اسرار تصوف کی معق یابی اور خدا شناسی کی منزل تک رسائی کے لئے کوشش بلیغ کی ہے۔

اس کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ سچائی کی شناخت یعنی ذات حق کی دریافت اور حقیقت مطلق کے رمز کو پانے میں دونوں مشربوں کے مابین سوائے لفظی اختلاف کے اور کوئی بڑا فرق نہیں ہے اس نقطہ نظر کے تحت میں نے ہر دو طبقوں کی باتوں کو ایک دوسرے سے تطبیق دی اور کچھ ایسی باتیں جن کا جاننا طالبان حق کے لئے ناگزیر اور سودمند ہے ان کو فراہم کرکے ایک رسالہ ترتیب دیا اور چونکہ یہ دونوں طرف کے معارف وحقائق کا مجموعہ ہے اس لئے اس کا نام «مجمع البحرین» رکھا گیا۔

اکابر کے اس قول کے مطابق کہ تصوف انصاف اور ترک تکلیف ہے وہ شخص جو اسے انصاف کی نظر سے دیکھے گا اور صاحب فکر وفہم ہوگا وہ اس حقیقت تک ضرور پہنچ جائے گا کہ ان مسایل کی تحقیق میں کتنا غور وفکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ عقل وادراک والے ہیں وہ اس رسالہ کے مطالعے سے بہت لطف حاصل کرینگے اور جو دونوں مسلکوں کی پیروی کرنے والوں میں کم فہم ہونگے وہ اس کے فوائد سے محروم رہیں گے۔

اور میں نے اپنی اس تحقیق کو اپنے ذوق ووجدان کے مطابق اپنے اہل بیت کے لئے لکھا ہے دونوں فرقوں کے عوام سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔ جیسا کہ خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ[1] نے فرمایا کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی کافر پر جفا

1 خواجہ نصرالدین عبیداللہ جو خواجہ احرار کے لقب سے معروف ہیں نقش بندیہ سلسلہ کے جلیل القدر صوفیا میں سے ہیں انکی ولادت ۸۰۶ ھجری السوی میں ہوئی اور انھوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ سمرقند میں بسر کیا ۲۹ ربیع الاول سنہ ۸۹۵ ھجری میں وفات پائی ملا علی بن حسین الواعظ الکاشفی نے «رشحات عین الحیات» میں خواجہ احرار کا ذکر تفصیل سے لکھا ہے۔ رجوع بہ نفحات الانس جامی (۳۷۰ - ۳۶۴) وسفینہ الاولیا داراشکوہ نے قول مذکور کو جو خواجہ احرار سے مروی ہے «حسنات العارفین» صفحہ ۳۹ میں بھی نقل کیا ہے۔

رمزمۂ توحید کو اپنے طریقہ سے پیش کردیا ہے تو میں اس سے انا نہیں کرتا بلکہ اس کے پاس جاتا ہوں اسے سنتا ہوں اور اس کا احسان مند ہوتا ہوں توفیق اور استعانت اللہ ہی کی طرف سے ہے

۱ - بیان عناصر : جان لے کہ عناصر پانچ ہیں اور یہی پانچ عنصر اس عالم ناسوت کی تمام مخلوقات کا مادہ ہیں عنصر اکبر جو سب سے پہلا ہے یہ وہ ہے جسے اہل شرع عرش اعظم کہتے ہیں دوسرے ہوا تیسرے آگ چوتھے پانی اور پانچویں مٹی اور ان کو اہل ہند « پانچ بھوت » کہتے ہیں آکاس ، وایو ، تیج ، جل اور پرتھوی ۔
آکاس تین ہیں بھوت آکاس ، من آکاس ، چد آکاش جو تمام عناصر کو محیط ہے اسے بھوت آکاس کہتے ہیں اور تمام مخلوقات جس کے دائرہ میں آتی ہے اسے من آکاس کہتے ہیں اور جو سب پر محیط ہے اور ہر جگہ موجود ہے اسے چد آکاس کہکر پکارتے ہیں اور چد آکاس برحق ہے یعنی وہ حادث نہیں ہے اور اس کے حدوث وفنا پر کوئی قرآنی آیت اور بید کا کوئی متن جو اہل ہند کی آسمانی کتاب ہے دلالت نہیں کرتا

چد آکاس (اول) سے جو شے ہم پہنچی ہے وہ « عشق » تھا جسے موحدان اہل ہند کی زبان میں « مایا » کہتے ہیں اور یہ حدیث قدسی « کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق » (میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاوں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا) اس پر دلیل ہے اور « عشق » سے روح اعظم یعنی جیو آتما پیدا ہوئی جسکو حقیقت محمدی » کہتے ہیں اور جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی « روح کلّی کی طرف اشارہ ہے اور اہل ہند اسکو « ہرن گربھ » اور « ارستھات آتما » کہتے ہیں جو مرتبہ عظمی سے عبارت ہے اسکے بعد عنصر ہوائی آتا ہے جسکو نفس الرحمن کہتے ہیں اور اس سے نفس باد پیدا ہوا اور چونکہ اس نفس کو بصورت نفخ (ونفخت فیہ من روحی) آدم کے وجود میں محبوس کرنا تھا جسکو منشاے ظہور کہنا چاہئے بڑی گرم جوشی کے ساتھ صدر وجود میں آیا اس سے آگ کا ظہور ہوا اور جب وہی نفس جس میں صفت رحمانیت واتحاد موجود تھی سرد ہوگیا تو آگ سے پانی نے جنم لیا اور چونکہ آگ اور ہوا کا عنصر غایت لطافت کے باعث محسوس نہیں ہوتے اور پانی ان دونوں کے مقابلے محسوسات میں ہے اسکے

محسوس ہونے ہی کی وجہ سے بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ پہلے پانی پیدا ہوا اور اسکے بعد مٹی کا جسم ہوا اور یہ عنصر خاک پانی کے جھاگ کا درجہ رکھتی ہے اس دودھ کی طرح جسکے نیچے آگ روشن ہو تو وہ ابلنے لگتا ہے اور اس پر جھاگ پیدا ہوجاتے ہیں۔

چه دانستم که این دریاے بے پایاں چنین باشد
بخارش آسمان گرد دکف دریا زمین باشد

مجھے کیا خبر تھی کہ یہ بے کنار دریا ایسا ہے کہ اس سے اٹھے ہوئے بخارات آسمان میں بدل گئے اور کف دریا نے زمین کی شکل اختیار کرلی۔

دیگر

یک قطرۂ چو بیضه جوشیده گشت دریا
کف کود و کف زمین‌شد وردود اوسما شد

اور اس کے برعکس قیامت کبرے میں‌کہ جسے اہل ہند کی زبان میں «مہاپرلے» کہتے ہیں اول عنصر خاک فنا ہوجائیگا اور پانی اسے اپنے اندر جذب کرلیگا اور پانی کو آگ خشک کردےگی اور آگ کو ہوا روح اعظم میں جو مہا آکاس ہے جذب ہوجائیگی۔

« کل شئی ھالک الاوجه »[1]

یعنی روے حق کے سوا کہ جو آکاس ہے ہر شے فنا ہوجائیگی۔

کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال ولاکرام [2]

ہر وہ شے جو روے زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے اور باقی رہنے والا صرف تیرے پروردگار کا چہرہ (روے حق) ہے جو صاحب جلال واکرام ہے۔

ان دونوں آیات بینات میں جو تمام اشیا کے فنا ہوجانے کی طرف اشارہ فرما ہیں «وجہ» کی جو قید ہے اس سے مراد مہا آکاس ہے کہ جو فنا پذیر نہیں ہے اگر یہ بات نہ ہو تو پھر یوں کہا جاتا کہ

«کل شئی ھالک الاھو»

ہر شے فنا ہونے والی ہے سواے اسکی ذات کے «روہ» کی قید مہا آکاس کی وجہ

سے لگائی گئی ہے۔ اس لئے کہ «مہا آکاس» اس ذات مقدس ومطہّر کے جسم (وجود) کے لئے ہے اور خاک کو اہل ہند کی زبان میں «دیوی» کہتے ہیں جس سے ہر شے پیدا ہوتی ہے اور پھر ہر چیز اسی میں مل جائیگی۔ اس آیت کریمہ کے بموجب «منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرى» ہم نے تمکو مٹی سے پیدا کیا اسی میں ہم تمہیں واپس لائیں گے اور اس میں پھر دوبارہ تمہیں پیدا کریں گے۔

۲ بیان حواس

پانچ عناصر کے مطابق پانچ حواس ہیں جن کو اہل ہند کی زبان میں پانچ «اندریاں» کہتے ہیں «شامہ» (سونگھنے کی قوت) «ذائقہ» (چکھنے کی قوت) باصرہ (دیکھنے کی قوت) «سامعہ» (سننے کی قوت) «لامسہ» (چھونے کی قوت) جس کو اہل ہند کی زبان میں گھران، رس، چھچھ، سروتر، اور توک کہتے ہیں اور ان کے محسوسات کو «گندہ» (بو یا خوشبو) رس، روپ، سد یا اسپرش (لمس) کہا جاتا ہے اور ان حواس پنجگانہ میں سے ہر ایک عناصر کی جنس سے ہوتا ہے جس سے اسکو منسوب کیا جاتا ہے قوت شامہ، خاک سے نسبت رکھتی ہے کہ عناصر میں سے خاک کے سوا کسی میں «بو» موجود نہیں اور خوشبو یا بو کا احساس ہماری سونگھنے کی قوت کرتی ہے۔ چکھنے کی قوت پانی سے منسوب قرار دی گئی ہے زبان پانی کی موجودگی ظاہر ہے اور «باصرہ» آگ سے نسبت رکھتی ہے چنانچہ رنگوں کا ادراک آنکھ سے متعلق ہے اور درختوں میں نورانیت کا ہونا ایک سند یہی بات ہے اور لامسہ کی نسبت ہوا سے ہے اسلئے کہ ملموسات کا احساس ہوا کے وسیلے سے ہوتا ہے اور سامعہ عنصر اعظم سے منسوب ہے جسے «مہا آکاس» کہتے ہیں جو آوازوں کے ادراک کا سبب ہے اور سماعت ہی کی راہ سے مہا آکاس کی حقیقت اہل دل پر ظاہر ہوتی ہے اور کسی دوسرے کو اسکی خبر بھی نہیں ہوتی اور یہ ایک ایسا شغل ہے جو صوفیہ اور ہندوستان کے موحدین واہل روحانیت کے مابین «قدر مشترک» ہے اور اسے شغل پاس انفاس» کہتے ہیں[1] اور وہ اسے اپنی اصطلاح میں «وھن» کہتے ہیں

---

[1] کتب خانہ بودلین (آکسفورڈ) میں رسالہ پاس انفاس کے نام سے ایک نسخہ موجود ہے جو مولینا عبدالرحمن جامی کی مولفات میں سے ہے تفصیل کے لئے کتب خانہ ھذا کی فہرست مرتبہ زخود واینتھے کی طرف رجوع کریں (صفحہ ۶۵۸)

اسکے ساتھ باطنی حواس بھی پانچ ہیں مشترک، متخلہ، متفکرہ، حافظہ، وواہمہ اور اہل ہند کے نزدیک باطنی حواس چار ہیں بدھی، من، اھنکار، چت، اور ان چاروں کے مجموعہ کو «انتھ کرن» جو ان میں پانچویں حواس کا درجہ رکھتا ہے چت ایک عادت ہے جسکو «ست پر کوتی» کہتے ہیں اور یہ اس کے لئے بمنزلہ پاؤں کے ہے کہ اگر منقطع ہوجائے تو «چت» اپنی رفتار سے محروم ہوجاتا ہے سب سے پہلے بدھی یعنی عقل ہے بدھی کے معنی یہ ہیں کہ بھلائی کی طرف جائے برائی (شر) کی طرف رخ نہ کرے

دوسرے «من» جو دل سے عبارت ہے اور اسے دو قوتیں حاصل ہیں ایک سنکلپ، دوسرے بکلپ یعنی ارادہ اور اسکا فسخ، تیسرے چت جو دل کے لئے قاصدکی حیثیت رکھتا ہے اور حس کا کام ادھر اُدھر دوڑتے پھرنا ہے اسے نیک وبد کی کوئی تمیز نہیں ہوتی چوتھے اھنکار ہے جو اشیا کو اپنے سے نسبت دیتا ہے اور اھنکار پرم آتما کی صفت ہے اور مایا ان کی زبان میں عشق کو کہتے ہیں اور اھنکار کی تین قسمیں ہیں. سانک (سانکھیہ) راجس (رجوگن) تمس (تموگن) اھنکار بصورت سانگ گیان سروپ ہے جس کا مرتبہ بہت اونچا ہے اور وہ یہ ہے کہ پرم آتما کہے کہ جو کچھ ہے وہ میں ہوں اور یہ احاطۂ کلی کا مرتبہ ہے جس کے دائرہ میں تمام اشیا آجاتی ہیں.

الا انّہ بکل شئ محیط

یعنی اس سے واقف و آگاہ ہو کہ تحقیق وہ تمام اشیا کا احاطہ کرنے والا ہے دوسرے یہ کہ وہی اول وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے

ھوالاول ھوالاخر ھوالظاہر ھوالباطن

اور اھنکار بشکل «راجس مدھم» ہے جسے درجہ اوسط کہنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ جیو آتما پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہے کہ میری ذات بدن اور عناصر سے منزہ ہے اور جسمانیت مجھسے نسبت نہیں رکھتی.

لیس کمثلہ شئ

کوئی شے اس جیسی نہیں (فان اللہ غنی عن العالمین) اللہ پاک تمام عالموں سے بے نیاز

اور نامس اہنکار کی شکل میں ادنی درجہ کی شے ہے اور یہ اودیا ہے یعنی
بت وجود کا مرتبہ ہے اور درجہ کے اعتبار سے «ادنے ہونا» اس جہت سے
کہ غایت تنزل تقلید اور تعین کی وجہ سے نادانی جہل اور غفلت کو اپنے سے
بت دیتے ہیں اور اپنی حیات محسوسہ کو نظر میں رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ من
یگانگی کے مرتبہ سے دور ہے۔

قل انمآ انا بشرٌ مثلُکُم

محمد کہہ دو کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں چنانچہ بشت کہتا ہے کہ
حضرت وجود نے چاہا کہ وہ مقام تعین میں آئے اس ارادہ کے ساتھ ہی وہ «پرم آتما»
گیا اور جب یہ دائرہ تقلید آگے بڑھا اہنکار ظہور پزیر ہوا تو اسکا نام «مہاتت»
گیا جسے عقل کہا جاتا ہے سنکلپ اور مہاتت سے من یعنی قلب پیدا ہوا جسکو
کرتی بھی کہا جاتا ہے اور سنکلپ من سے پانچ اندریاں وجود میں آئیں جن سے
راد شامہ لامسہ باصرہ سامعہ اور ذائقہ ہے اور سنکلپ اور پانچ گیان اندریوں سے
عضا وجوارح شکل پزیر ہوئے اس مجموعے کو بدن کہتے ہیں پس پرم آتما نے جو
سو الارواح ہے اور جس کا ظہور اول حقیقت محمدی اور ظہور ثانی روح القدس
یعنی جبریل امیں ہے ان تمام تقلیدات کو اپنی ذات سے پیدا اور خود کو ان سے
استہ کیا ہے[1] جیسا کہ ریشم کا کیڑا تار ہائے ریشم کو اپنے لعاب سے پیدا کرتا
ہے اور پھر اپنی ذات کو اس سے وابستہ کر لیتا ہے۔ اس طـــرح حضرت واجب
الوجود نے ان تمام قیودات اعتباری کو خود اپنے سے جنم دیا ہے اور خود کو ان
میں پنہاں کرلیا ہے اسکی مثال تخم شجر سے دی جاسکتی ہے کہ اس نے درخت
کو اپنے اندر سے پیدا کیا ہے خود اسی درخت میں چھپ گیا ہے اور ٹہنیوں اور
پھولوں پھلوں کی شکل اختیار کرلی ہے۔

پس اس بات کو سمجھ لو اور جان لو کہ تمام عالم ظہور سے پہلے ذات باری
میں پنہاں تھا اور اب اسکی تقدیس ہستی خود عالم وما ورائے عالم میں چھپی ہوئی ہے۔

---

۱ مولینا محمود شبستری گلشن راز میں فرماتے ہیں :

که آخر واجب آمد جز و هستی   که هستی کود اورا زیر دستی

۳ — بیان شغل

ہندوستان کے توحید پرستوں میں اگرچہ شغل کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن سب سے بہتر شغل وہ «اجپا» کو سمجھتے ہیں اور یہ وہ شغل ہے کہ عالم بیداری اور عالم خواب غرض کہ ہر حالت میں بغیر کسی قصد وارادہ کے تمام نفوس سے ہمیشہ اور ہر آن صادر ہوتا ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں

وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولاکن لاتفقہون تسبیحہم

اور نہیں ہے ایسی کوئی شے مگر یہ کہ وہ اسکی تعریف اور اسکی پاکی بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے — اس کی طرف اشارہ ہے اور وہ نفس کی آمد وشد کو دو لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

جو نفس کہ سینہ سے باہر آتا ہے اسے وہ «او» کہتے ہیں اور جو سینہ میں فرو ہوتا ہے اسے «من» قرار دیتے ہیں یعنی «اومنم» اور صوفیہ ان دو لفظوں کے شغل کو «ھواللہ» کہتے ہیں کہ نفس کے باہر آنے میں «ھو» اور فرو ہونے میں صرف «اللہ» ظاہر ہوتا ہے اور یہ دو لفظ ہر ذی روح کے انفاس میں جاری ہیں جسے اسکی خبر بھی نہیں ہوتی۔

۴ — بیان صفات باری تعالی

صوفیہ کے نزدیک جلال اور جمال دو صفتیں ہیں کہ آفرینش عالم میں کوئی شے ان دو لفظوں سے باہر نہیں اور فقرائے ہند کے نزدیک تین صفتیں ہیں جن کو ترگن کہتے ہیں ستوگن، رجوگن، تموگن «ست» بمعنی ایجاد «رجو» بمعنی ابقا اور تمو بمعنی فنا اور صوفیہ نے صفت ابقا کو صفت جمال سے تعبیر ووابستہ کیا ہے۔

چونکہ یہ تینوں صفتیں ایک دوسرے میں منظم ہیں اسلئے فقرائے ہند اسے «ترمورت» کہتے ہیں جو برھما، بشن (وشنو) اور مہیش سے عبارت ہے اور زبان صوفیہ میں انہیں جبریل، میکائیل اور اسرافیل کہا جاتا ہے۔

برھما موکل ایجاد ہے یعنی جبریل ہے اور بشن موکل ابقا ہے جسے میکائیل کہنا چاہئے اور مہیش موکل فنا یعنی اسرافیل ہے اور پانی ہوا اور آگ بھی انہیں

موکلوں سے نسبت رکھتے ہیں پانی جبریل ہے آتش میکائیل ہے اور باد اسرافیل اور یہ تینوں چیزیں تمام جانداروں میں بھی موجود ہیں۔

برھما جو پانی ہے مظہر کلام الہی ہوگیا اور زبان میں قوت نطق اس سے ظاہر ہوا اور بشن (وشنو) جو آتش ہے آنکھوں میں روشنی اور بینائی اس سے ظاہر ہو گئی اور مہیش جو ہوا ہے دو بار نفخ صور اس سے ظاہر ہوا اور ناک کے وسیلے سے نفس کی آمد وشد کا باعث وہ ہوا اور جب یہ سلسلہ ٹوٹ گیا تو فنا کی منزل آگئی۔

تسرگن اللہ پاک کی تین صفتیں ہیں یعنی ایجاد ابقا وافنا اور ان تینوں صفتوں کے مظہر بھی برھما ، بشن (شنو) اور مہیش ہیں کہ جن کی صفتیں تمام مخلوقات میں ظاہر ہوتی ہیں سب سے پہلے مخلوقات کا ظہور ہوتا ہے پھر ہر شے اپنی مدت موجود کے مطابق باقی رہتی ہے اور اسکے بعد اس پر فنا طاری ہوجاتی ہے اور «شکتی» جو ان صفات ثلاثہ کی قدرت سے عبارت ہے اسکو «تردیوی» کہتے ہیں اس سے تری مورتی کا ظہور ہوتا ہے جو برھما ، بشن اور مہیش ہیں اور ان تینوں دیویوں سے تین چیزیں وجود میں آئیں سرستی (سرس وتی) پاربتی اچھن (لکشمی) سرس وتی رجوگن اور برھما سے تعلق رکھتی ہے پاربتی تموگن اور مہیش سے . لکشمی ستوگن اور وشنو سے

۵ — بیان روح

روح کی دو قسمیں ہیں ایک روح اور ابوالارواح کہ فقرائے ہند کی زبان میں ان دونوں روحوں کو آتما اور پرم آتما کہتے ہیں جب ذات بحت (وجود مطلق) تعین وتقید سے متصف ہوتی ہے خواہ لطافت کی صورت میں ہو خواہ کثافت کی کی شکل میں موجود ہونے کی وجہ سے مرتبہ لطافت میں اسکو روح یا آتما کہتے ہیں اور مرتبہ کثافت میں جسد وشریر کہتے ہیں اور جو ذات کہ «ازل» سے متعین ومتصف ہے وہ روح اعظم ہے کہ وہ اپنی ذات مجتمع الصفات احدیت کا مرتبہ رکھتی ہے اور جس ذات میں تمام ارواح جمع ہوجاتی ہیں اس کو پرم آتما اور ابوالارواح کہتے ہیں اسکی مثال آب اور موج کی سی ہے جو دوسرے لفظوں میں بدن اور روح یا «آتما» اور «شریر» ہیں اور تمام امواج جب ایک ہوجاتی ہیں تو از روئے کلیت پرم آتما میں بدل جاتی ہیں اور محض پانی بہ منزلہ حضرت وجود شدہ اور چیتن ہے۔

۶ ـــ پھولوں کا بیان

جو ہوا بدن انسانی میں حرکت کرتی ہے جب وہ مختلف مقامات پر ہوتی ہے تو ہر مقام کے اعتبار سے اسکا ایک الگ نام ہوتا ہے

پران ، اپان ، سمان ، اودان ، ویان

پـــران ہوا کی وہ حرکت ہے جو ناک سے انگشت پا (انگوٹھے) تک ہوتی ہے سانس لینا اس ہوا کی خاصیت ہے اپان اسکی حرکت نشست گاہ سے عضو خاص تک ہے اس ہوا نے ناف کے گرد حلقہ بنا رکھا ہے اور یہی باعث حیات ہے ۔ سمان ، سینہ وناف کے مابین حرکت کرتی ہے اودان ، اسکی حرکت حلق سے ام الدماغ تک ہے ویان ، ظاہر وباطن اس ہوا پر ہے ۔

۷ ـــ بیان عالم

وہ تمام عالم کہ تمام مخلوقات کو ناگزیر طور پر ان سے گزرنا ہوتا ہے بعض صوفیا کے نزدیک چار ہیں ناسوت ، ملکوت ، جبروت ، لاہوت اور بعض کے نزدیک وہ پانچ ہیں وہ عالم مثال کو بھی اس میں داخل سمجھتے ہیں اور جو لوگ عالم مثال کو ملکوت سے الگ نہیں تصور کرتے وہ کل چار عالم مانتے ہیں ۔ اور فقرائے ہند کے قول کے مطابق اوستھات (جو ان چار عالموں سے عبارت ہے) خود چار ہیں جاگرت ، سپن ، سکھوپت اور تریا ۔ جاگرت کی نسبت ناسوت سے ہے جسکو عالم ظاہر اور جہاں بیداری کہنا چاہئے « سپن » عالم ملکوت سے نسبت سے رکھتا ہے یہ عالم ارواح اور عالم خواب ہے ۔ « سکھوپت » عالم جبروت ہے کہ وہاں دونوں عالموں کی تفریق اور « من وتو » کی تمیز نہیں ہوتی خواہ تم آنکھیں کھول کر دیکھو خواہ آنکھیں بند کر کے ۔

اور دونوں قوموں کے بہت سے فقرا اس عالم کی کوئی اطلاع نہیں رکھتے ۔ چنانچہ سید الطائفہ استاد ابو القاسم حضرت جنید بغدادی ٭ قدس اللہ سرہ نے خبر دی ہے کہ تصوف یہ ہوتا ہے کہ تو ایک ساعت کے لیے بغیر کس تیمار کے بیٹھے « ساعتے

٭- ابو القاسم بن محمد بن جنید الخراز القواریری جو بغداد کے بزرگ صوفیوں میں تھے سری سقطی کے برادرزادہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے بغداد میں سنہ ۲۹۷ ھ مطابق ۹۱۰ ع میں فوت ہوئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانفاس صفحہ ۸۱ وتذکرۃ الاؤلیا [مرتبہ نکلسن]) جلد دوم صفحہ ۵ تا ۳۶

به بنشین بے نیمار» (٥) شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ بے تیمار ہونے کے کیا معنیٰ ہیں بغیر ڈھونڈے ہوئے پانا اور بغیر دیدار کے دیکھنا دیدار کے عالم میں دیکھنا تابع علت ہے بس ایک ساعت بغیر تیمار کے بیٹھنے کے یہی معنی ہے کہ عالم ناسوت وملکوت کے نقوش اس ساعت دل میں خطورنہ کریں اور جو کچھ حضرت مولینا روم قدوس اللہ سرہ نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی بھی یہی ہیں۔

حوا ہی کہ بیابی یک لحظہ بجوش
حوا ہی کہ بدانی یک لحظہ مدانش
چون ورپہمانیش حوئی دوری رآمدنش
چون آشکار حوئی محوئی رہانش
چور آشکار وپنہاں بیرون شوی سر ہان
پایادرار میکن حوش حسپ درامانش

---

٥ قول بالا حضرت حنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور نفحات الانفاس کے صفحہ ۸۲ پر حضرت شیخ الاسلام کی تشریح کے ساتھ موجود ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ داراشکوہ نے اسے نفحات الانس سے نقل کیا ہے۔

داراشکوہ حضرت حنید بغدادی کے اس قول کو بہت دوست رکھتا تھا۔ اس نے اسے اپنی تین تصانیف میں درج کیا ہے۔ رسالہ «حق نما» صفحہ ۲۱ (مطبوعہ نولکشور) حسنات ورق ۸ ب نسخہ قلمی موجود بوہار لائبریری وسکینۃ اؤلیا صفحہ ۴۶ ترجمہ اردو مطبوعہ لاہور

شیخ الاسلام سے مراد ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی ہے جو آٹھ شعبان سنہ ۳۹۶ھ مطابق ۱۰۰۶ میں پیدا ہوئے چند رسائل کے مولف ہیں انکی شہرت مناجات پر مبنی ہے جو بہت مقبول ہے اور مجالس ذکر وموعظت میں مسائل حقیقت وطریقت صوفیائے کرام کے اقوال انکی سیرت اور عمل کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ سب قید کتابت میں لایا گیا ہے اور طبقات (شیخ الاسلام) عبداللہ انصاری کے نام سے موسوم ہوا اور اسکا ایک نادرالوجود خطی نسخہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں موجود ہے (رجوع شود به فہرست مخطوطات فارسی کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۷۸ تا صفحہ ۸۳)

اور مولینا جامی نے اپنی کتاب نفحات الانس کا بیشتر حصہ جیسا کہ خود بھی انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے طبقات شیخ الاسلام سے اخذ کیا ہے۔
شیخ الاسلام کی وفات سنہ ۴۸۱ھ مطابق ۱۰۸۸ء میں واقع ہوئی،

اگر تو اسے ایک لحظہ کے لئے پانا چاہے تو اسکی جستجو مت کر اگر تو ایک لمحہ کے لئے اسے جاننا چاہتا ہے تو سعی ترک کردے اگر تو اسے اپنے نہاں خانہ دل میں تلاش کریگا تو اس کے جلوہ آشکار سے محروم ہوجائیگا اور اگر تو اسکو آشکار دیکھنا چاہتا ہے تو اسکے جمال پنہاں سے تیری آنکھیں محجوب رہیں گی جب تو آشکار وپنہاں دونوں سے اپنے عالم ویقین کے بےنیاز ہوجائیگا تو اب بےفکری سے پیر پھیلا دے کہ اب تو خود اسکے حفظ وامان میں ہے۔

ثریا عالم لاہوت سے مطابقت رکھتا ہے جو ذات محض ہے ہر شے کو محیط ہے ہر چیز میں موجود ہے اور یہ عالموں کا امین اور تمام صفات وجود کا جامع ہے اگر انسان ناسوت سے ملکوت، ملکوت سے جبروت اور جبروت سے لاہوت کی سیر کرے تو اس کا یہ ارتقائی سفر اسی تک رسائی سے عبارت ہوگا. اور اگر ذات محض کہ حقیقت الحقایق ہے اور جسے موحد ان ہند اوس کہتے ہیں مرتبہ لاہوت سے نزول فرمائے اور جبروت وملکوت سے گزرجائے تو اسکی سیر عالم ناسوت پر منتہی ہوگی اور اہل تصوف میں سے بعض نے مراتب نزول کو چار یا پانچ سے وابستہ کیا ہے اس سے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

۸ - بیان آواز

آواز وہی نفس رحمن ہے جو ایجاد عالم کے وقت لفظ کن میں ظاہر ہوئی (٠) اس آواز کو فقرائے ہند «سرستی» کہتے ہیں تمام آوازیں تمام اصوات اور تمام صدائیں اس آواز سے پیدا ہوئی ہیں. بیت

ہر کجا بشنوی چو نغمۂ اوست
کہ شنید ایں چنین صدائے دراز

جہاں کہیں بھی تو سنتا ہے اس کے نغمہ کی صدائے بازگشت ہے ایسی لا انتہا آواز کس نے سنی ہوگی - اور جس آواز کو ناد کہا جاتا ہے وہ موحدین ہند کے یہاں تین اقسام پر مشتمل ہے اول «اناہت» یعنی وہ آواز جو ہمیشہ سے ہے اور رہیگی اور صوفیہ اس آوازکو مطلق اور «سلطان الاذکار» کہتے

---

(٠) یہ عالم محض حکم حق تعالی سے وجود میں آیاجسکا اظہار لفظ کن سے ہوا. چنانچہ حق سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں بدیع السموات ولارض واذا قضی امراً فانما یقول لہ کن فیکون. (قرآن مجید ۲ - ۱۱۷)

ہیں. جو قدیم ہے اور ہمارا آکاس کا احساس اس کی بدولت ہے اور اس آواز کو سوائے دونوں قوموں کے «اکابرہ» کے اور کوئی نہیں سن سکتا

دوسرے «آہت» جو ایک چیز کے دوسری چیز پر مارنے سے بغیر ترکیب الفاظ کے پیدا ہوتی ہے. تیسرے «پسند» جو ترکیب الفاظ سے پیدا ہوتی ہے اور اس کو «سرستی» سے مناسبت ہے اور «اسم اعظم» کہ کلمہ اہل اسلام ہے اسی آواز سے عبارت ہے اور وہ کلمہ وقرائے ہسد کا جسے «بید کلمہ» کہتے ہیں ا-و-م اسی آواز سے ظاہر ہوا (۱)

۸ - بیان اسم اعظم

اور اسم اعظم کے معنی یہ ہیں کہ وہ تین صفتوں والا ہے. ایجاد، ابقا، افنا اور فتحہ ضمہ اور کسرہ کہ ان کو اکار، درکار اور مکار کہتے ہیں اسی سے ظاہر ہوتے ہیں. اور موحدین کے نزدیک اس اسم کی ایک خاص صورت ہے جو اسم اعظم سے مشابہت تمام رکھتی ہے اور عنصر آب، آتش، خاک اور باد اور سحت (حقیقت مطلق) اسی میں مضمر ہے. (۲)

---

(۱) اوم اہل ہنود کے لئے بہت متبرک لفظ ہے کہ کتب مذہبی کو پڑھنے سے پہلے وہ اسے زبان پر لاتے ہیں اور اس کے انتہائی متبرک ہونے کی وجہ سے منہ پر ہاتھ رکھکر اس لفظ کو ادا کرتے ہیں اشتغال اختیار کرتے ہیں اور ہنوز یہ متحقق نہیں ہوا کہ اس مقدس لفظ کے خاص معنی کیا ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ ادیتی ورما اور متبرا کے حرف آغاز سے مرکب ہے جسکا مجموعہ اوم ہوتا ہے یعنی وہ خداوند ہے، پیدا کرنے والا ہے، رکھنے والا ہے اور فنا کرنے والا ہے (برہما وشنو مہیش) اور داراشکوہ اپنکہت (اپنشد) کے ترجمہ کے دیباچہ میں قرآن پاک کو اُوم الکتاب کہتا ہے.

[۲] اوم کے بارہ میں یہ متحقق نہیں ہوا کہ اس کے مخصوص معنی کیا ہیں یہی صورت اسم اعظم کے بارہ میں ہے کہ متعین نہیں ہے کہ اس کا خصوصی اطلاق اسمائے خداوندی میں سے کس اسم پر ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اسم اعظم سے مراد «اللہ» ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ «القیوم» ہے بعض کے نزدیک وہ «الرحمن» ہے اور بعض کے نزدیک «الرحیم». (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تمام عاشقان الٰہی اسے متفق ہیں کہ ھو اسم مشتق ہے اور وہ اسم کا منتہا ہے اور جو کچھ از راہ عبادت تمام اسمائے الٰہیہ میں موجود ہے انکی طرف اشارہ دنراہ ھو سے ہوتا ہے. بیان کیا جاتا ہے کہ اسم «ھو» جملہ اسما کی اصل ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ سورہ فاتحہ ام القرآن ہے عبدالرزاق کاشی نے اسم اعظم کے معنی میں یہ دو شعر کہے ہیں

اسم اعظم جامع اسما بود	صورت او معنی اشیا بود
اسم دریا و تعین موج او	این بہ داند ہر کہ او ازما بود

اسم اعظم تمام اسما کا جامع ہے اسکی صورت اصل معنی اشیا ہے اسم دریا ہے اور تعین اسکی موج ہے لیکن یہ بات وہی شخص جان سکتا ہے جو زمرۂ عشاق میں ہو.

نیارد زدن تا دم از عشق ہر کس	طلسمے بر این اسم اعظم نہ بندم

ہر آدمی عشق کا دعویدار نہیں بن سکتا میں اسم اعظم پر کوئی طلسم بندی نہیں کر سکتا.

۹ - بیان نور

نور کی تین قسمیں ہیں اگر نور صفت جلال کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰

آصف اللغات مولفہ شمس العلما احمد عبدالعزیز نایطی نواب عزیز یار جنگ بہادر میں صفحہ ۸۴-۳۶ پر لکھا ہے اسم اعظم (اصطلاح) بقول صاحب بحر و غیاث جمیع اسمائے حق تعالیٰ میں سے اسم بزرگ ہے اور اس کے تعین میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ اللہ ہے اور بعض کے نزدیک حمد بعض کے نزدیک الحی القیوم بعض کے نزدیک الرحمٰن الرحیم اور بعض کے نزدیک «ھمین» صاحب فرہنگ آصد راج اور مولف کشف کا بیان ہے کہ قاضی حمید الدین ناگوری کے نزدیک اسم اعظم «ھو» کہ سراپردہ غوث سے عالم ظہور میں آیا اور «ھو» صرف ایک لفظ ہے اور «و» ضمہ کے اشباع سے پیدا ہوا ہے اور وہ اسم ذات مطلق ہے معلول و مشتق نہیں ہے.

آفتاب کی صورت اختیار کرتا ہے یا پھر وہ یاقوت کے رنگ کا ہوتا ہے یا آگ کے رنگ کا۔ اور اگر جمعیت جمال کے ساتھ متصف ہوکر سامنے آتا ہے یا چاند کی شکل میں ہوتا ہے یا چاندی کی شکل میں یا موتی کی شکل یا پانی کی صورت میں اور نور ذات جو صفات سے منزہ ہے اسکو سوائے اؤلیا اللہ کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔ جسکے بارے میں حق سبحانہ وتعالی فرماتا ہے « یهدی اللہ بنورہ من یشآ » یعنی اللہ پاک جسکو چاہتا ہے اپنے نور سے ھدایت دیتا ہے۔

اور یہ نور ہے کہ جب کوئی شخص خواب عالم میں ہوتا ہے (یا وہ آنکھیں بند کرکے بیٹھ جاتا ہے) تو نہ وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے نہ کانوں سے سنتا ہے نہ زبان سے کہتا ہے اور نہ ناک سے سونگھتا ہے اور نہ قوت لامسہ کے ذریعہ کسی شے کا احساس کرتا ہے حالانکہ وہ عالم خواب میں یہ سب کام اسکی قوت کی مدد سے کرتا ہے اور حواس ظاہری و اعضائے حسی اور روشنائی چراغ کا محتاج نہیں ہوتا اور باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامہ اور لامسہ ایک دوسرے کا عین بن جاتی ہیں۔ اسکو نور ذات کہتے ہیں اور وہ خدا کا نور ہے جو بڑی شان والا ہے۔

اے دوست یہ سوچ کہ میں نے کیا کہا ہے کہ یہ فکر وفراست کا موقع ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فکر کی تعریف میں فرمایا ہے تفکر ساعة خیر من عبادة سنة ایک ساعت فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے اور اسکے معنی ایک ساعت کے لئے اس فکر میں رہنا ہے جو انس وجن کے عمل سے بہتر ہے۔

اور جس نور کا مفہوم اس آیت کریم «اللہ نور السمٰوت والارض» سے ظاہر ہوتا ہے اسکو فقرائے ہند جوت سروپ، سوا پرکاس اور سین پرکاس کہتے ہیں یعنی یہ نور اپنی ذات سے خود روشن ہے خواہ وہ عالم ظہور میں آئے اور خواہ نہ آئے چنانچہ صوفیہ نے نور کو منوّر سے تعبیر کیا ہے اور اہل ہند بھی اسے منور ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور اس آیت کریمہ «اللہ نور السمٰوات والارض» ترجمہ بھی یہی ہے کہ اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے «مثل نورہ کمشکوة فیہا مصباح» اور اسکے نور کی

مثال اس طاقچے کی طرح ہے کہ جس میں چراغ رکھا ہو (المصباح فی زجاجۃ) اور وہ چراغ ایک شیشہ میں موجود ہے الزجاجۃ کانہا کوکب دری، اور وہ شیشہ گویا چمکدار ستارہ ہے یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ و لا غربیۃ جو زیتون کے شجر متبرک سے روشن ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی ہے یکاد زیتہا یضئ ولو لم تمسسہ نار قریب ہے کہ اس زیتون مبارک کا روغن روشنی بخشے جبکہ آگ نے اس کو چھوا بھی نہ ہو۔ نور علی نور وہ نور بالائے نور ہے۔ یھدی اللہ لنورہ من یشآء۔ اور اللہ پاک جسکو چاہتا ہے اپنے نور سے ہدایت بخشتا ہے

لیکن جو کچھ کہ حقیر نے اس کا مطلب سمجھا یہ ہے کہ مشکوۃ سے مراد وہ طاق ہے جسکو عالم اجسام کہنا چاہئے اور مصباح جسکے معنی چراغ کے ہیں وہ نور ذات ہے اور شیشہ سے مراد روح ہے جو ستارہ درخشاں کی طرح چمک رہا ہے کہ جسکی روشنی سے اس شیشہ کا چراغ بھی چراغ روشن کی طرح نظر آتا ہے اور وہ چراغ روشن ہوا ہے اس سے مراد نور وجود ہے اور شجر متبرک عبادت ہے ذات حق سے جو کہ مشرق ومغرب کی جہات سے منزہ ومبری ہے۔ اور زیت سے مراد روح اعظم ہے کہ نہ ازلی ہے نہ ابدی ہے یعنی وہ زیت انتہائے صفات ولطافت کے باعث از خود روشن وتابندہ ہے اور اس کا محتاج نہیں کہ اسے کوئی روشن کرے چنانچہ استاد ابوبکر واسطی علیہ الرحمۃ روح کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ زجاج روح اس مرتبہ پر روشن ہے کہ اسے عالم ناسوت کی آگ اور شعاع کی ضرورت نہیں اور غایت استعداد (ذاتی) کے باعث نزدیک ہے کہ وہ خود بخود روشن ہو اور یہی نور زیت «نور علی نور» ہے۔

یعنی نہایت صفا اور عنایت تابانی کے باعث گویا بالائے نور ہے اور اس روشنی کے ذریعے کوئی اسکو نہیں دیکھتا جبتک کہ وہ اپنے نوروحدت کے وسیلہ سے اسے روشنی ورہنمائی نہیں بخشتا پس ان آیات کریم کے مجموعہ سے یہ مراد ہے کہ اللہ پاک اپنے نور ذات کے ساتھ لطیف اور نورانی پردوں سے جلوہ فرما ہے اور روح الارواح پردہ ارواح میں اور ارواح پردہ اجسام میں اسی طرح جلوہگر ہیں جیسے اس نور زیت کے باعث شیشے کے پردہ میں ظاہر وتاباں ہے

اور شیشہ طاقچہ میں) ہے اور یہ سب روشنی کا کتاب "نور ذات" سے کرتے ہیں لہذا روشنی بالائے روشنی کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔

٦٠ بیـان رویـت

رویت حق تعالی کو ہندوستان کے موحدین "ساچھات کار" کہتے ہیں یعنی ظاہری آنکھوں سے دیدار خداوندی کرنا۔ جان لے کہ چشم ظاہر وباطن کے ساتھ حق سبحانہ وتعالی کو دیکھنے میں انبیا علیہم الصلوۃ والسلام اور اؤلیا اللہ میں سے کسی کو بھی کوئی شک نہیں اور تمام اہل کتاب اور ہر ملت کے اہل بینش سبھی اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں کیا قرآن کو ماننے والے کیا بید (وید مقدس) اور توریت و انجیل وزبور پر ایمان رکھنے والے اور جو رویت کا انکار کرتا ہے وہ گویا خود اپنی ملت اور اپنے مسلک کے ماہیوں اور نہ ماننے والوں میں سے ہے۔

جو قادر مطلق ہر شے پر قدرت رکھتا ہے وہ خود اپنا جلوہ دکھانے پر آخر کیوں قدرت نہیں رکھتا اور اس مسئلہ کو علمائے اہل سنت والجماعت نے بڑے واشگاف انداز میں بیان کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اگر یہ کہا ہے کہ ذات بحت کو دیکھنا محال ہے تو اس لئے ہے کہ ذات مطلق بےحد لطیف اور بمرتبہ غایت بے تعین ہے۔ وہ تعینات کے ساتھ پردہ لطافت میں جلـوہ گر ہوتی ہے اس لئے اس معنی میں اسکو نہیں دیکھا جاسکتا۔ اور اسکی رویت جملہ محالات سے ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آخرت میں دیکھا جا سکتا ہے دنیا میں نہیں اسکی کوئی اصلیت نہیں۔ اسلیے کہ جب وہ صاحب قدرت کاملہ ہے تو اس پر قادر ہے کہ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے خود کو جلوہ گر کرے اور جس نے یہاں اسکا دیدار نہیں کیا وہ وہاں اسے کیسے دیکھ سکتا ہے چنانچہ خود اس نے اس آیۃ کریمہ میں فرمایا ہے "ومن کان فی ھذہ الدنیا اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی"۔ یعنی جو اس دنیا میں میری دولت دیدار سے محروم ہے آخرت میں بھی میرے جلوۂ جمال سے محروم رہیگا

اور منکرین رویت نے جو معتزلہ اور شیعہ علما ہیں اس مسئلہ میں خطائے

عظیم کی ہے اس لئے کہ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ذات بحت کو دیکھنا ممکن نہیں تو ایک بات تھی وہ تو رویت حق کی تمام اشکال کے منکر ہوگئے وہ غایت خطا ہے اسلئے کہ اکثر انبیائے مرسل اور اولیاء اکمل نے حق سبحانہ وتعالی کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے کلام برحق کو بغیر کسی واسطہ کے سنا ہے اورجب وہ کلام حق کو ہر جہت میں سننے کے قابل ہیں تو وہ دیدار حق کو همہ صورت دیکھنے کے کیوں نہ قابل ہونگے وہ ہیں اور ضرور ہیں۔

اور جسطرح وہ خدا، ملائکہ، انبیا، کتب سماوی، حشرونشر، قضا وقدر اور مقامات قدسیہ پر یقین وایمان رکھتے ہیں اسی طرح رویت حق پر یقین کو بھی وہ فرض واجب تصور کرتے ہیں اور اختلافات کہ حقیقت نارسی کے باعث علمائے اہل سنت والجماعت نے کیا ہے وہ اس حدیث کے لفظ ومعنی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "ہل رأیت ربک یا رسول اللہ"، کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا "نورٌ انّی اراہ" وہ نور ہے جسے میں دیکھتا ہوں وہ لوگ اس حدیث کو اسطرح پڑھتے ہیں نورانی راہ یعنی وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

لیکن یہ حدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار خداوندی کو نہ دیکھنے کی نہیں ہوسکتی اگر حدیث کے پہلے معنی لئے جائیں تو اس سے اشارہ پردۂ نور میں جلوۂ خداوندی کو دیکھنے کے ہیں اور اگر دوسرے معنی اخذ کئے جائیں تو اس سے مراد ذات بحت (وجود مطلق ہے) جو بےرنگ وبےتعین ہے یہ اختلاف عبارت نہیں ہے بلکہ اعجاز نبوت ہے کہ ایک ہی حدیث میں دو مسئلہ بیان کردے۔ اور یہ آیتہ کریمہ (وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربها ناظرۃ) یعنی جب چہرہ تروتازہ ہونگے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہونگے یہ حق سبحانہ وتعالی کی رویت حق میں ایک دلیل روشن ہے اور یہ آیتہ کریم "لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر، ذات بحت کی بیرنگی کی طرف اشارہ ہے یعنی آنکھیں اسے بیرنگی واطلاق کے عالم میں نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ سبکو دیکھتا ہے اور اسکی ذات غایت لطافت وبیرنگی سے حقیقت ہے اور اس آیۃ کریم میں اسم «ھو» آیا ہے اس میں ذات بحت کو نہ دیکھ سکنے کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ پاک کے دیدار کی پانچ قسمیں ہیں

پہلی صورت خواب میں چشم خیال سے دیکھنا ہے دوسرے عالم بیداری میں

ان ظاہری آنکھوں سے دیدار کرنا ہے تیسرے بیداری وخواب کے مابین دیکھنا کہ وہ ایک خاص بیخودی کی کیفیت ہوتی ہے چوتھے تعین خاص کے عالم میں اس کا دیدار کرنا پانچویں عالم ظاہر وباطن کے تعنیات وکثرت میں ذات واحد کا جلوہ دیکھنا حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عالم میں دیکھا جبکہ گویا آپ خود بھی درمیان میں نہ تھے اور دیکھنے والا اور جسکو دیکھا جارہا تھا دونوں ایک ہوگئے تھے اور خواب وبیداری اور خودی و بےخودی میں مکمل یکجائی ہوگئی تھی اور چشم ظاہر ودیدہ باطن میں کوئی تفاوت باقی نہ رہا تھا۔ مرتبہ کمال رویت یہی ہے اور اس دیدار کے لئے دنیا وآخرت کی کوئی شرط نہیں یہ ہمہ وقت میسر آسکتا ہے[1]

---

(۱) دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیا میں ص ٦۰ سے ص ٦٦ تک مسئلہ رویت پر خاص تفصیل سے بحث کی ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت سی اسناد پیش کی ہیں کہ یہاں ان سب کو پیش کرنا گفتگو کی طوالت کا باعث ہوگا اسلیے بہ نگاہ اختصار اس مثال کو پیش کیا جاتا ہے۔

اصحاب کبار میں ایک شخص نے مجھے بیان کیا کہ ایک روز میں نے حضرت میاں جیو سے پوچھا کہ نہایت جرری میں یہ مذکور ہے کہ ایک دن اس نے حضرت ابوذر غفاری سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ کو دیکھتا تو آپ سے پوچھتا کہ یا رسول اللہ آپنے خدا کو دیکھا ہے یا نہیں ابوذر غفاری نے کہا کہ میں نے حضور اکرم سے پوچھا تھا آپنے جواب دیا نورانی اراہ یعنی میں اسے نشکل نور دیکھتا ہوں۔ حضرت میاں جیو نے دارا شکوہ سے فرمایا کہ اگر میں پہلے معنی لوں تو اشارہ ذات باری کے وجود مطلق کی طرف ہوگا اور اس اعتبار سے رویت حق انبیا علیہم السلام کے لئے بھی ممکن نہیں اور اگر ہم دوسرے معنی کو اختیار کریں تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ ذات حق کی رویت پردہ نقاب ولباس نور میں ممکن ہے۔ اور شہزادہ موصوف نے مسئلہ رویت کے بارہ میں اپنے خیالات کو وضاحت تمام کے ساتھ اس رباعی میں بیان کیا ہے (سکینۃ الاولیا - ٦۱)

آنانکہ خدا دریں زمان می بینند	اول تو بدان درین جہاں می بینند
دیدار خدا دریں وآں ہست یکے	ہر لحظہ بظاہر و نہاں می بینند

جو لوگ خدا کو اس جہاں میں دیکھنا چاہتے ہیں تو جان لے کہ وہ پہلے اسے اس جہاں میں دیکھتے ہیں خدا کا دیدار یہاں اور وہاں یکساں ہے ہر لحظہ وہ اسکو ظاہر اور پوشیدہ دیکھتے ہیں

۱۱ بیان اسمائے تعالیٰ

یہ جان لو کہ اللہ پاک کے اسما بے نہایت اور حدود شمار سے باہر ہیں ذات مطلق ہستی بحت غیب الغیب اور حضرت واجب الوجود کو ہندوستان کے فقرا اسن. ترگن. نرنکار. نرنجن. ست. چت کہتے ہیں اگر علم کو اس سے نسبت دیں کہ اہل اسلام اسے علیم کہتے ہیں تو اہل ہند اسے «چتن» کہکر یاد کرتے ہیں اور اسم حق کو است کہتے ہیں اور انکی زبان قادر اور سمیع کو «سروتا» اور بصیر کو درشتا کہا جاتا ہے.

اور کلام کو اگر اسی ذات مطلق سے نسبت دیتے ہیں اور اللہ کو اوم «ھو» داتا اور فرشتہ کو انکی زبان میں دیوتا کہا جاتا ہے. مظہر اتم کو اوتار کہکر پکارتے ہیں اور اوتار وہ ہوتا ہے کہ قدرت اللہ کا جو مظہر اس میں ہوتا ہے اور اس کے وجود میں نظر آتا ہے وہ نوع انسانی کے کسی فرد میں اس وقت دیکھنے میں نہیں آتا اور وحی کو جو کسی پیغمبر پر نازل ہوتی ہے اکاس وانی کہا جاتا ہے اور آکاس بانی اسلیے کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے لئے سب سے زیادہ کرب کا وقت نزول وحی کا وقت ہوتا ہے اور میں وحی کو کبھی میں صدائے جرس اور کبھی شہد کی مکھی کی آواز کی طرح سنتا ہوں چونکہ یہ آواز آسمان کی طرف سے آتی ہے اسلیے اسے آکاس وانی کہا جاتا ہے اہل ہند آواز آسمان کو بید کہتے ہیں اور عالم حیات کی نازنینوں کو اپچھرا اور بد روحوں کو کہ وہ دیو وشیاطین ہیں راحھس (راکھش) کہتے ہیں اور آدمی کو منکھ. ولی کو رکھی (رشی) اور نبی کو مہا سدھ نام دیتے ہیں.

۱۲ نبوت و ولایت

انبیا تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جنھوں نے خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے خواہ ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہو خواہ باطن کی آنکھوں سے. دوسرے وہ جنھوں نے خدا کی آواز سنی ہوتی ہے. خواہ اس کی صدائے محض کو سنا ہو خواہ اس آواز کو جو کلمہ سے مرتب ہوتی ہے تیسرے وہ جھوں نے فرشتہ (جبریل) کو دیکھا ہوتا ہے یا پھر اس سے کلام الٰہی کو سنا ہوتا ہے اور نبوت و ولایت کی تین قسمیں ہیں.

ایک تنزیہی نبوت و ولایت، دوسرے تشبیہی نبوت و ولایت، تیسرے وہ نبوت و ولایت جو تنزیہہ وتشبیہہ کی جامع ہے۔

اول نبوت تنزیہہ جسکی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت ہے کہ جنہوں نے خدا تعالی کو تنزیہہ کی صورت میں دیکھا اور اسی کی دعوت دی اور انکی امت نے چونکہ تنزیہہ کے تصور کو نہیں اپنایا اس لئے وہ ایمان نہیں لائی بجز چند افراد کے اور باقی سب بحر فنا میں غرق ہوگئے۔ یہی صورت ہمارے زمانہ کہ اہل زہد کے ساتھ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو تنزیہہ کی طرف بلاتے ہیں اور کوئی شخص ان کے مریدوں میں کہ الوھیت کے تنزیہی تصور کا عرفان حاصل نہیں کرتا اور ان مرشدوں کے اقوال سے کوئی نفع نہیں حاصل کرتا اور بالآخر اس کے نتیجہ میں راہ سلوک وطریقت میں فنا وھلاکت میں پڑجاتا ہے اور خدا تک نہیں پہنچتا۔

دوسرے نبوت تشبیہی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت جنہوں نے خدا کو درخت کی آگ میں دیکھا اور اس سے سخن حق کو سنا اور موسی کے اکثر امتی تشبیہہ کے زیر اثر گوسالہ پرست ہوگیے اور انھوں نے عصیاں وگمرہی کی راہ اختیار کی۔ ہمارے زمانہ کے بعض تقلید پسندں کا بھی یہی حال ہے جنھوں نے کاملوں کی تقلید محض کو اپنا پیشہ بنا لیا اسی پر اپنی زندگی گذار رہے ہیں تنزیہہ سے دور ہوگیے اور «تشبیہ» میں پڑگئے خوب ومرغوب شکلوں کے دیدار اور لہو ولعب کے پھندوں میں گرفتار ہوگئے۔ انکی تقلید ہر گز نہ کی جانی چاہئے۔

ہر صورت دلکش کہ ترا روے نمود
خواھد فلک از چشم تواش زود ربود
رو دل بکسے دہ کہ در اطوار وجود
بودست وہمیشہ با تو خواھد بود

جو شکل دلپزیر تجھے نظر آتی ہے زمانہ بہت جلد اسے تیری آنکھوں سے اوجھل کردے گا جا اور دل اس سے لگا کہ اطوار وجود میں، جو ہمیشہ تیرے ساتھ رہے گا۔

سویم وہ نبوت جو تنزیہہ وتشبیہہ کی جامع ہے اور حضرت محمد مصطفے احمد مجتبے صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے کہ جس نے مطلق ۔ مقید قرب وبعد اور رنگ وبے رنگ

کو یکجا کر دیا ہے اور اس آیت کریم میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔

لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر

یعنی اس جیسی کوئی شے نہیں اور یہ مرتبہ تنزیہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ سمیع وبصیر ہے سنوائی وبینائی کی طرف یہ اشارہ کنائیہ تشبیہ ہے اور یہ جامعیت وخاتمیت کا سب سے اعلی اور سب سے بلند مرتبہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ پس ہمارے پیغمبر نے شرق سے عرب تک تمام عالم کو اپنے دائرہ میں لے لیا ہے اور نبوت تنزیہی محروم ہے نبوت تشبیہی سے اور نبوت تشبیہی عاری ہے نبوت تنزیہی سے لیکن نبوت جامع تنزیہہ وتشبیہہ دونوں کو محیط ہے اور اسکی مثال ھوالاول ھوالآخر ھو الظاہر ھوالباطن ہے اسی طرح ولایت اس امت کے کاملوں کے ساتھ خاص ہے جن کے بارہ میں اللہ تعالی فرماتا ہے

« کنتم خیر امت اخرجت للناس »

یعنی بہترین امت وہ ہیں جو تنزیہہ وتشبیہہ کو جمع کرنے والے ہیں چنانچہ ہمارے پیغمبر کے زمانہ میں اولیا اللہ (یا صاحبان ولایت) حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق حضرت عثمان، حضرت علی، امام حسن وحسین وستہ باقیہ وعشرہ مبشرہ مہاجر وانصار ہیں جو اکابر کا درجہ رکھتے تھے اور اہل صوفیہ ہوتے تھے اور من جملہ ان کے حضرات تابعین جیسے اویس قرنی وغیرہ اور دوسرے زمانہ میں جیسے ذوالنون مصری حضرت فضیل بن عیاض حضرت معروف کرخی وحضرت ابراھیم بن ادھم بشیر صافی سری السقطی بایزید بسطامی استاد ابو القاسم جنیدی وسہیل بن عبد اللہ التستری وابو سعید خراز دوییم (کذا) ابو الحسن نوری ابراھیم خواص ابوبکر شبلی ابوبکر واسطی اور ان جیسے دوسرے بزرگ اسکے علاوہ دوسرے دور میں جیسے ابو سعید ابو الحسین شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری شیخ احمد جام محمد معشوق طوسی احمد غزالی ابو القاسم اور اسی طرح ایک دوسرے زمانے میں میرے پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی ابو مدین المغربی وشیخ محی الدین ابن عربی شیخ نجم الدین کبرے شیخ فرید الدین عطار مولانا جلال الدین رومی اور زمانۂ دیگر میں شیخ معین الدین چشتی خواجہ بہاو الدین نقشبندی خواجہ احرار مولینا جامی اور اسکے بعد کے دور میں میرے شیخ میاں میر اور میرے استاد میاں باری اور میرے مرشد ملا شاہ محمد دلربا وشیخ طیب سرھندی وبابا لال بیراگی ...

۱۳ بیان برهمانڈ

برهمانڈ سے مراد «کل» ہے اور یہ ظہور حضرت وجود بصورت تقید ہے جو شکل حدود میں ہے اور چونکہ اسے جہات واطراف سے کوئی تعلق نہیں اور اسکی نسبت سب کے ساتھ برابر ہے اور پیدایش ونمود کے تمام سلسلہ اسی سے مربوط ہیں لہذا موحدین ہند اسے برهماند کہتے ہیں۔

۱۴ بیان جہات

موحدین اسلام نے مشرق ومغرب شمال وجنوب اور بالا وپست میں سے ہر ایک کو ایک جہت سے تعبیر کیا ہے اور ان سب کو شش جہات کہا ہے اور موحدان ہندوستان کے نزدیک جہات دس ہیں یعنی انہوں نے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے مابین بھی چار جہتیں اور تصور کی ہیں اور ان سب کو ملاکر وہ دس دشائیں کہتے ہیں۔

۱۵ آسمانوں کا بیان

مختلف آسمان جن کو اہل ہند گگن کہتے ہیں ان کے نزدیک آٹھ ہیں ان میں سے سات آسمان سات سیاروں سے نسبت رکھتے ہیں یہ زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر ہیں اور ہندوستان کی زبان میں ان سات ستاروں کو سات نچھتر (نکشتر) کہتے ہیں یعنی سنیچر برہسپت منگل سورج شکر بدھ اور چندرما اور جس آسمان میں باقی ستارے جمع ہیں اُسے آسمان ہشتم سمجھتے ہیں اور اسی آسمان کو حکما فلک ثوابت بھی کہتے ہیں۔ جو اہل شرع کی زبان میں «کرسی» ہے «وسع کرسیه السموات والارض» یعنی تمام آسمان اور زمین کرسی میں سما جاتے ہیں اور فلک نہم جسکو مہا آکاس کہتے ہیں اسے آسمانوں کے ذیل میں نہیں رکھا گیا ہے اس لئے کہ وہ سبکو محیط ہے اور اس نے کرسی اور ہفت افلاک غرض کہ سب کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے۔

۱۶ بیان زمین

اہل ہند کے نزدیک زمین کے سات طبقہ ہیں جن کو سپت تال کہتے ہیں اور

ان میں سے ہر ایک طبقہ کا ایک الگ نام ہے اتال ، پتال ، موتال ، تلاتال ، مہاتال ، وساتال وپاتال ، اہل اسلام کے یہاں بھی زمین سات طبقوں پر مشتمل ہے اس آیۃ کریمہ کے بموجب «الله الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن » یعنی حق سبحانہ وتعالی وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کو بھی ان آسمانوں جیسا بنایا

۱۷ زمین کی تقسیم کا بیان

ربع مسکون (زمین کو ایک چوتھائی آباد حصہ) کو حکما نے سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے اور وہ ان طبقات کو ہفت اقلیم کہتے ہیں اور اہل ہند انہیں « سپت دیپ » کہکر یاد کرتے ہیں اور زمین کے ان سات طبقوں کو پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے پر تہہ تہہ نہیں مانتے بلکہ انہیں پایہ نردبان کی طرح ایک دوسرے سے بمراتب بلند تصور کرتے ہیں اور سات پہاڑوں کو کہ اہل ہند انہیں کلاچل کہتے ہیں ہر طبقہ زمین کے گرد محیط مانتے ہیں اور ان پہاڑوں کے نام یہ ہیں :

اول سمیرہ دوسرے سموپت ، تیسرے ہمکوٹ ، چوتھے همسون ، پانچویں مگندہ ، چھٹے پارچاتر ، ساتویں کیلاس (کیلاش) چنانچہ آیۃ کریمہ «والجبال اوتادا » قرآن پاک میں موجود ہے . یعنی ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں بنا دیا اور ان سات پہاڑوں کے گرد سات دریا ہیں جو ان پہاڑوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کو سپت سمدر (سات سمندر) کہتے ہیں ان سات دریاؤں کے نام یہ ہیں اول اسون سمدر یعنی دریائے شور ، دوم اچھہ اس سمدر یعنی دریائے آب نیشک ، سوم سراسمدر یعنی دریائے شراب ، چہارم گھرت سمندر یعنی دریائے روغن زرد (گھی) پنجم دوھی سمدر یعنی دھی کا سمدر یعنی دریا جغرات ، ششم کھیر سمدر یعنی دودھ کا سمدر دریائے شیر ، ہفتم سواد جل یعنی دریائے آب زلال اور دریاؤں کا باعتبار عدد سات ہونا اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے «ولوان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ البحر ما نفدت کلمت الله » تمام روئے زمین کے درختوں سے درستی تمام کے ساتھ قلم بنے جائیں اور ساتوں دریا سیاہی بن جائیں تو بھی کلمات خدا پورے نہیں ہونگے یعنی مقدارت خداوندی کو محیط تحریر میں نہیں لایا جاسکتا اور ہر زمین پر پہاڑ اور ہر سمندر میں طرح طرح کی مخلوقات ہیں اور جو زمین پہاڑ اور دریا تمام

زمینوں پہاڑوں اور دریاوں سے بالا تر ہیں محققانِ ہند اسکو سـورگ کہتے ہیں جو بہشت اور جنت ہے اور جو زمین ودریا وکوہ تمام زمینوں پہاڑوں اور دریاوں کے نیچے ہے اسکو نرک کہتے ہیں جو دوزخ اور جہنـم سے عبارت ہے اور محققان ہند کی تحقیق یہ ہے کہ بہشت اور دوزخ اسی دنیا میں ہیں جسے برھمانڈ کہتے ہیں اور یہ سات آسمـان جو سات ستاروں سے وابستگی رکھتے ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ وہ بہشت کے گرد گھومتے ہیں اور بہشت سے بالاتر ہیں اور نصف بہشت کو من آکاس کہتے ہیں جو عرش سے عبارت ہے اور زمین بہشت کرسی ہے

۱۸ بیان عالم برزخ

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من مات فقد قـام قیـامتـہ جو شخص کہ مرگیا پس اسکی قیامت قائم ہوگئی اور موت کے بعد آنما جسکو روح کہا جاتا ہے بدن عنصری سے مفارقت اختیار کرکے بغیر کسی خلل زمانی کے مکث بدن میں کہ اسے «سوچھم سریر» کہتے ہیں داخل ہوجاتی ہے وہ یہ لطیف جسم ہے جو انسانی اعمال سے صورت پذیر ہوجاتا ہے عمل نیک کے نتیجے میں صورت نیک ملتی ہے اور عمل بد کے نتیجہ میں صورت بد میسر آتی ہے اور سوال وجواب کے بعد کسی درنگ وتوقف کے بغیر اہل بہشت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں لے جاتے ہیں اس آیت کریمہ کے مطابق۔ واما الذین شقـوا ففی النار لھم فیھا زفیر وشھیق خالدین فیھا مادامت السموات و الارض الاماشا ربک فعال لما یریـد واما الذین سعد وا ففی الجنة خالدین فیھا مادامت السموات والارض الا ماشآ ربک عطآءً غیر مجذوذ یعنی جو انسان بری قسمت والے ہیں وہ آگ میں پڑے ہیں اور آگ میں انکی فریاد اور آہ وزاری ہمیشہ کے لئے ہے جبتک کہ زمین وآسمان باقی ہیں تحقیق ترا خدا وند جو کچھ چاہتا ہے وہ کرتا ہے کہ وہ اپنی قدرت تمام کے ساتھ ہر شے پر قادر ہے اور جو خوش نصیب ہیں وہ بہشت میں ہیں جبتک کہ زمین وآسمان ہیں لیکن جب کہ تیرا خداوند یہ چاہے کہ اسکو وہاں سے نکال لے وہ بے نہایت بخشندہ والا ہے اور دوزخ سے نکال لینا یہ ہے کہ زمین وآسمان کی برطرفی سے پہلے وہ انکو دوزخ سے نکال کر بہشت میں پہنچادے۔

حضرت ابن مسعود رضا نے اس آیت کی تفسیر میں فـرمایا ہے کہ دوزخ پر ایک

ایسا بھی دن آئے گا جب کوئی فرد بھی دوزخ میں نہیں ہوگا جبکہ وہ اس میں ایک مدت طویل گزار چکے ہونگے اور اہل بہشت کو بہشت سے باہر لانے کے معنی یہ ہونگے کہ آسمان و زمین کی برطرفی سے پہلے اگر خدا چاہے انہیں اعلیٰ علین میں جگہ دے اس لئے کہ وہ بےانتہا بخششوں والا ہے اس آیۃ کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ پاک کے پاس بہشتوں سے بڑی ایک اور بہشت ہے جسے اہل ہند بیکنٹھ کہتے ہیں اور یہ ہندوستان کے موحدین کے نزدیک رستگاری کا سب سے بڑا درجہ ہے۔

۱۹ بیان قیامت

موحدین ہند کے طریق فکر کے مطابق قیامت یہ ہے کہ دوزخ و بہشت میں قیام پر جب ایک طویل مدت گزر جاتی ہے تو مہا پرلے ہوجاتی ہے جو قیامت کبرے سے عبارت ہے اس آیت کریمہ سے بھی یہی مفہوم ہے «فاذاجاءت الطامۃ الکبری یعنی جس وقت قیامت کبرے ہوجاتی ہے اور اس آیت کریم « و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ » سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب صور پھونکا جائیگا تو ہر شے جو زمین اور آسمان میں ہے بیہوش ہوجائیگی مگر جسکو اللہ پاک پسند فرمائے گا بیہوش رہنے سے وہ محفوظ رہیگا اور یہ عارفوں کی جماعت ہوگی جو دنیا اور آخرت دونوں میں بیہوشی و بےخودی سے محفوظ رہیگی اور زمین وآسمان کے برطرف ہونے اور دوزخ وبہشت کا خاتمہ ہوجانے کے بعد جب برہماند کی مدت عمر بھی تمام ہوجائیگی اور یہ کائنات معدوم ہوجائیگی اہل بہشت واہل دوزخ کو مکتی حاصل ہوجائیگی یعنی وہ دونوں ذات حق میں تحلیل ومحو ہوجائینگے جیسا کہ اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے

کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام

ہر شے پر فنا طاری ہونے والی ہے اور باقی رہنے والی ذات حق سبحانہ وتعالی کی ہستی ہے جو صاحب جلال واکرام ہے۔

مکتی ہلاکت پذیری سے نجات اور تعینات کے ذات باری میں محو ہونے سے عبارت ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

ورضوان من اللہ اکبر وذلک ھوالفوز العظیم

اور رضوان اکبر میں داخل ہوتا بہشت بریں میں ہوتا ہے اور یہی وہ رستگاری بزرگ ہے جسے مکتی کہتے ہیں مکتی تین اقسام پر مشتمل ہے اول جیون مکتی یعنی رستگاری حیات اور جیون مکتی ان کے نزدیک یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی شناسائی اور عرفان حق کی بدولت انسان اپنے دور حیات ہی میں علایق کے بندھوں سے نجات حاصل کرلے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ہر شے کو ایک دیکھے اور ایک جانے نیک وبد افعال اور حرکات وسکنات کو اپنی طرف منسوب نہ کرے اور خود کو جمیع اشیائے موجود کے ساتھ عین حق جانے اور تمام مراتب وجود میں ذات حق کو جلوہ گر سمجھے

تمام برھمانڈ کے صوفیہ نے اسے عالم اکبر کہا ہے اور جو صورت کلیہ خداوندی ہے وجود حق کے لئے بہ منزل بدن تصور کرے اور عنصر اعظم یعنی مہا آکاس کو سوچھم (سو کشم) یعنی وجود لطیف سمجھے اور ذات حق کو اس وجود لطیف کی روح خیال کرے اور اسکو ایک متعین ومشخص ذات مان کر ذرہ سے کو ہسار تک اس عالم ظاہر وباطن کو بجز اس ذات بے ہمتا کے کوئی شے دیگر نہ سمجھے جیسا کہ انسان کی ذات جسکو عالم صغیر کہا گیا ہے عضو ہائے مختلف اور صورت ہائے متکاثر کے باوصف ذات واحد رہتی ہے اور کئی شخصی حقیقتوں میں تقسیم نہیں ہوتی اس طرح ذات خداوندی کثرت تعینات کے ساتھ بھی ان اہل عرفان کے نزدیک وجود ہائے مختلفہ میں منقسم نہیں ہوتی۔

جہان چہ ارواح چہ اجسام بود شخصے معین یعنی عالم

یہ دنیا تمام تر کیا ارواح اور کیا اجسام ایک شخص معین کی طرح ہے جس کا نام عالم ہے۔ بس ذات حق تعالیٰ اس شخص معین کی روح وجان سمجھیں جو ایک سر موئے برابر بھی اس سے جدا نہیں جیسا کہ شیخ سعدالدین حمدانی فرماتے ہیں۔

حق جان جہان ست وجہان جملہ بدن
ارواح وملایک وحواس این ہمہ تن
افلاک وعناصر وموالید واعضا
توحید ہمیں است دگر شیوہ وفن

یہ عالم اپنے جملہ تعینات کے ساتھ جسم ہے اور ذات حق اس جہان متعین کی جان ہے ارواح ملائک اور حواس یہ سب ان تعینات وجود ہی سے عبارت ہیں افلاک عناصر موالید (ثلاثہ) اور اعضا یہ سب ملکر ایک حقیقت بنتے ہیں یہی « توحید » ہے اور باقی سب شیوہ شیون ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

اسی طرح موحدان ہند نے جیسے بیاس وغیرہ تمام برھماند کوکہ عالم کبیر ہے شخص واحد سمجھا ہے اور اسکے اعضائے بدن کو اسی طرح بیان کیا ہے اسلئے کہ صوفی صافی ہمہ وقت حس شے پر نظر کرتا ہے یہ جانتا ہے کہ مہا پرس (جس سے یہاں ذات حق سبحانہ وتعالی مراد ہے) کے فلاں عضو پر میری نظر گئی ہے،

پاتال جسکو زمین کا طبقہ ہفتم کہنا چاہئے مہا پرس کی کف پا ہے وساتال جو زمین کا طبقہ ششم ہے مہا پرس کی پشت پا ہے اور شیاطین مہا پرس پیر کی انگلیاں ہیں اور جانور ان شیاطین کی سواری جو مہا پرس کی پیر کی انگلیوں سے عبارت ہیں اور مہا تال کہ زمین کا طبقہ پنجم ہے مہا پرس کلشتا لنگ ہے تلاتال جو زمین کا طبقہ چہارم ہے مہا پرس کی ساق ہے جو زمین کا طبقہ سویم ہے مہا پرس کا زانو ہے پاتال کا طبقہ دویم میں مہا پرس کی ران سے اٹل کہہ زمین کا طبقہ ادنی ہے مہا پرس کا عضو خاص ہے کال یا زمانہ مہا پرس کی رفتار ہے

پرجاپت (پرجاپتی) جو تمام عالم میں تولد وتناسل کا باعث ہے وہ مردمی اور قوت رجولیت کی علامت ہے بارش مہا پرس کا نطفہ ہے کائنات عرض یعنی زمین سے آسمان تک مہا پرس کا حصہ زیریں ناف ہے جنوب کے تین پہاڑ مہا پرس کے دست راست ہیں اور اسی طرح شمال کے تین پہاڑ مہا پرس کے دست چپ ہیں سمیرو برو مہا پرس کے سرین ہیں۔

صبح کاذب کی روشنی مہا پرس کے جامہ کا تار معری ہے صبح صادق کی روشنی مہا پرس کے چادر (جامہ) کا سفید رنگ ہے (« که الکبریاء ردائی » اس کی طرف اشارہ کرتا ہے) اور شام کا وقت جو رنگ شفق رکھتا ہے مہا پرس کا پارچہ ستر عورت ہے که « العظمة ازاری » اس کا کنایہ ہے سمندر یعنی بحر محیط مہا پرس کا حلقہ ناف اور اسکی گہرائی ہے اور بدوانل (بڑوانل) وہ ایک ایسی آگ کا مقام

، جو سات سمندروں کے پانی کو اب بھی جذب اور خشک کرتی ہے اور ان میں
پانی نہیں پیدا ہونے دیتی اور قیامت کبرے میں تمام پانی کو خشک کردیگی اور
مہا پرس کے معدہ کی حـــرارت اور گرمی ہے اور دوسرے گویا ۔مہا پرس کی
گیں ہیں اور جس طرح دوسری رگیں ناف تک پہنچتی ہیں اور سمندر پر منتج ہوتی
، گنگا جمنا اور سرستی مہا پرس کی شـــہ رگیں ہیں انکلا (انکا مدا) جمنان
کلا جمونا سرستی اوک جوکہ بھو لوک پر ہیں اور گند دھرپ دیوتا وہاں رہتے ہیں
ر آواز وہاں سے پیدا ہوتی ہے وہ مہا پرس کا شکم ہے ۔ قیامت صغری کی آگ
ا پرس کی اشتہائی حاصری ہے قیامت صغری میں پانیوں کا خشک ہوجانا مہا پرس
ی تشنگی و آب نوشی ہے سرگ لوک (سورگ لوک) جو بھو لوک کے اوپر ہے
ر بہشت کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے وہ مہا پرس کا سینہ ہے کہ جہاں
یشہ انبساط وآسایش اور خرمی و خوش حالی کا ماحول رہتا ہے اور تمام ستارے
ا پرس کے اقسام جواہر ہیں سوال سے پہلے لطف و نوازش جیسے جود و بخشش
ہا چاہئے مہا پرس کا پستان راست اور سوال کے بخشائش ووصل کہ عطا ہئے اسکا
اں پستان ہے اور اعتدال رجوگن ستوگن اور تموگن ہیں اور جس کو پر کرتی کہتے
، وہ مہا پرس کا دل ہے اور جیسا کہ کنول سہ رنگ ہوتا ہے پیلا سرخ اور بنفشی
، بھی جو شکلا سے مشابہ ہے تین صفتیں رکھتا ہے اور ان کا ظہور تین رنگوں کا
ا ہوتا ہے جو برھما ، بشن (وشنو) اور مہیش ہیں جس کا نام من بھی ہے مہا پرس
ارادہ دل اور اس سے وابستہ حرکت ہے بشن (وشنو) مہاپرس کی صفت مہر
مروت اور مہیش مہا پرس کا قہر وغضب ہے ۔

چاند مہا پرس کا جسم اور اسکی خـوش طبعی ہے جو حرارت اندوہ والم کو ۔
طرف کردیتا ہے اور رات مہا پرس کی کماں ہے سمیرو پروت (کوہ سمیرو) مہا پرس
ی استخواں میاں پشت ہے اور کوہ سمیرو کے دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ پر واقع پہاڑ
ا پرس کے استخواں سینہ (پسلیاں) ہیں اور آٹھ فرشتہ کہ سرشٹی کے کوتوالون کا
رجہ رکھتے ہیں اور اندر جو ان کا سردار ہے اور کمال قوت رکھتا ہے اور بخشا
ر ارش نہ کرنا اس سے متعلق ہیں یہ مہا پرس کے دونوں ہاتھ ہیں دست راست ۔
ا پرس کی بخشش و بارش ہے اور دست چپ امساک باراں و خشک سالی سے عبارت

ہے "اپسرائیں جو حوران بہشت ہیں مہا پرس کے خطوط کف دست ہیں اور فرشتہ جن کو اہل ہند دیوتا کہتے ہیں مہاپرس کے ہاتھ کے ناخن ہیں تین فرشتہ جو لوک پال ہیں وہ مہاپرس کے دست راست ہیں دست چپ مہا پرس کی بخششوں کا رگ جاتا ہے ۔

اپچھرا (اپسرا) جو حوران بہشتی ہیں مہا پرس کے ہاتھ کی لکیریں ہیں اور فرشتے جنھیں بچھ (شش) کہتے ہیں وہ مہا پرس کے ہاتھ کے ناخن ہیں اور تین فرشتے جو لوک پال ہیں وہ مہا پرس کا دست راست ہیں (نیچے لیکرانچ اگن تک نام فرشتہ) اور جسم دوت مہا پرس کا بازو ہے اور لوک پال فرشتہ مہا پرس کا بایاں بازو ہے اور کبیر فرشتہ مہا پرس زانوئے پا ہے اور کلپ ورکش جو طوبی ہے مہا پرس کا عصا ہے ۔

قطب جنوبی مہا پرس کا دایاں کاندھا ہے اور قطب شمالی بایاں شانہ اور برن نام فرشتہ (ورون دیوتا) لوک پال جو موکل آب ہے اور سمت مغرب میں ہوتا ہے مہا پرس کا مہرہ گردن ہے ۔ انا ہت جو سلطان الاذکار ہے مہا پرس کی باریک آواز ہے مہو لوک جو سرگ لوک سے نیچے ہوتا ہے مہا پرس کا گلا اور گردن ہے اور جن لوک جو مہو لوک سے اوپر ہے مہا پرس کا روئے مبارک ہے خواہش عام مہا پرس کی ٹھوڑی ہے طمع جو کہ دنیا میں ہر حال موجود ہے مہا پرس کا نچلا ہونٹ ہے شرم و حیا مہا پرس کا اب بالا ہے سینہ یعنی محبت والفت مہا پرس کے بن دندان (مسوڑھے) ہیں اور تمام عالم امکان مہا پرس کی خوراک ہے

عنصر آب مہا پرس کا کام و دھن ہے عنصر آتش مہا پرس کی زبان ہے سرسوتی قوت حافظہ اور چار بید مہا پرس کی صدق وراستی گفتار ہے مایا یعنی عشق جو باعث ایجاد عالم ہے جو مہا پرس کی دل لگی وخوش طبعی ہے اور دنیا کی آٹھ جہتیں مہا پرس کے دونوں کان ہیں۔ اشونی کمار جو انتہائی حسین فرشتہ ہے وہ مہا پرس کے بینی ہیں گند تن ماتر جسے عنصر خاک کہنا چاہئے مہا پرس کی قوت شامہ ہے ۔ عنصر باد مہا پرس کا سانس ہے ۔

جن لوک اور تپ لوک کے درمیان جو بہشت کا طبقہ پنجم اور طبقہ ششم

ہے اور نور ذات سے پر ہے وہ مہا پرس کی داہنی آنکھ کا نصف اور بائیں آنکھ کا نصف جزوی حصہ ہے اور اصل نور جسے آفتاب ازلی کہنا چاہئیے مہا پرس کی قوت بینائی ہے تمام آفرینش مہا پرس کی نگاہ لطف ہے عالم ہستی کے روز و شب مہا پرس کا آنکھ جھپکنا ہے۔

مکر نام فرشتہ جو محبت اور دوستی کا موکل ہے اور توستا نامی فرشتہ جو موکل قہر وغضب ہے یہ دونوں مہا پرس کی آبرو ہیں۔ بت لوک جو جن لوک سے اوپر ہے مہا پرس کی پیشانی ہے اور «لوک» کے تمام لوگون سے اوپر ہے مہا پرس کا کاسہ سر ہے آیات توحید وکتاب اللہ مہا پرس کی ام الدماغ ہیں۔ ابرہائے سیاہ جو مہا پرس کےلیے بارش کرتے ہیں مہا پرس کے موئے سر ہیں اور تمام پہاڑوں پر اگنے والے پیڑ پودے مہا پرس کے موئے بدن ہیں۔

لچھمی جو اس دنیا کی دولت اور اسکی خوبصورتی ہے وہ مہا پرس کا حسن ہے آفتاب درخشاں مہا پرس کی صفائے بدن ہے بھوت آکاس مہا پرس کے مسامات بدن ہیں چد آکاس مہا پرس کی روح بدن ہے ہر فرد انسانی کی صورت مہا پرس کا گھر ہے چنانچہ خداوند قدوس نے حضرت داود علیہ السلام سے فرمایا کہ اے داود میرے لیے گھر بنا۔ حضرت داود نے کہا خداوند تو اس سے منزہ ہے کہ تیرے لئے کوئی گھر ہو حق سبحانہ وتعالی نے فرمایا کہ میرا گھر تو خود ہے اپنے دل کو خیال سے خالی کر اور جو کچھ اس برھمانڈ میں برسبیل تفصیل موجود ہے انسان میں کہ نسخہ عالم ہے اجمال کے طور پر وہ سب کچھ دیکھا جاسکتا ہے۔ جو اس طرح جانتا اور دیکھتا وہ «جیون مکتی» حاصل کرتا ہے اور اسکے حق میں یہ آیت کریمہ ہے «فرحین بما آتہم اللہ من فضلہ» اللہ پاک نے انکو اپنے فضل سے جو عنایت کیا ہے وہ اس پر خوش ہیں۔

دوم۔ سرب مکتی یعنی تمام علائق سے آزاد ہوجانا وہ اپنے کو ذات حق میں فنا کردینے سے عبارت ہے اور ذات تمام موجودات کو محیط ہے اور قیامت کبریٰ کے بعد جب آسمان وزمین اور بہشت و دوزخ سب ہی فنا ہو جائیں گے اور اسی وقت نہ برھمانڈ رہے گا نہ روز وشب۔ وہ ان سب سے آزاد اور رہائی پانے والے ہونگے ایسی آیتہ

کریمہ کے بموجب «ورضوانٌ من اللہ اکبر و ذالک ھو الفوز العظیم» یہ اللہ پاک کی بہت بڑی خوشنودی ہے اور اس میں بڑی بہتائی ہے۔ اور «الا ان اؤلیاء اللہ لا خوف علیہم ولاھم یحزنون» آگاہ ہوجاؤ کہ تحقیق جو اللہ کے ولی یعنی عارف باللہ ہیں انکے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن وملال، اسی مکتی کی طرف اشارہ ہے۔

سوم۔ سربدا مکتی یعنی رستگاری مدام سربدا مکتی کہ یہ معنی ہیں کہ حس عالم میں بھی وہ سیر کرے خواہ دن ہو، خواہ رات، خواہ عالم باطن ہو، خواہ عالم ظاہر، خواہ دکھلائے، خواہ نہ دکھلائے اور خواہ یہ سیر زمان ماضی میں ہو، خواہ حال میں، خواہ مستقبل میں۔ جیسے بھوت کال، ورتمان اور بھوشیہ کال وہ صاحب عرفان اور اور نجات (رستگاری) پانے والا ہوگا اور جہاں کہیں بھی آیات قرآنی میں ذکر کیا گیا ہے «خالدین فیہا ابداً» اس کے ساتھ آیا ہے یعنی وہ ہمیشہ کا بہشت میں رہے گا۔ اور یہاں بہشت سے مراد بہشت عرفان ہے اور ابدیت اسی مکتی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ جس «نشاۃ» میں بھی انسان ہوگا اس کے لئے عنایات ازلی اور استعداد معرفت درکار ہوگی۔

چنانچہ اس آیت کریمہ میں اسی جماعت کے بارے میں وارد ہوا ہے۔

«یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنت لھم فیھا نعیم مقیم خالدین فیھا ابداً ان اللہ عندہ اجر عظیم»

انہیں مژدہ سناؤ ان کے پروردگار کی طرف سے اسکی رحمتوں کے لئے اور انھیں خوش خبری دو فردوس اعلی اور بہشتوں کی جو انکے لئے ہیں ان بہشتوں میں دائمی نعمتیں ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رستگاری ہے اور اللہ پاک کی طرف سے ان کے لئے یہ تحقیق اجر عظیم ہے اور ایک دوسری آیت کریمہ «ویبشر المومنین الذین یعملون الصالحات ان لھم اجراً حسناً ماکثین فیہ ابداً» ۔ اور مومنین کے لئے یہ مژدہ ہے جو نیک عمل کرتے ہیں اور انکے لئے بہترین اجر ہے۔ (یعنی جو معرفت حق کے حامل ہیں) اور انکے لیے اللہ پاک کے نزدیک اجر عظیم ہے وہ بہشت برین میں ہونگے اور ہمیشہ جوار رحمت خداوندی میں رہیں گے۔

بیان شب وروز۔ الوھیت ظہور وبطون ۔ موحدان ہند کے طریق فکر کے مطابق برھما

کی عمر جو بمنزل جبریل ہے اور برھماند کا فنا ہونا اور روز ظہور کا اہتمام کہ جسے روز الوہیت کہنا چاہئیے اٹھارہ ہزار دنیاوی سال کے برابر ہے۔ کہ ہر روز ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے اور اسی معنی کی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کرتی ہے۔

«وان یوماً عند ربک کالف سنة مما تعدون» یعنی بہ تحقیق تیرے رب کے پاس وہ دن ہے جو اپنے شمار کرنے والوں کے لئے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا اور یہ آیت کریمہ «تعرج الملائکة والروح الیه فی یوم کان مقداره خمسین الف سنة» یعنی اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں فرشتے اور روح کہ جبریل و برھما سے عبارت ہے اس روز میں کہ جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور ان پچاس ہزار میں سے ہر روز کو ہزار سال سمجھنا چاہئیے کہ جسکی صراحت اس سے پہلے پیش کی جانے والی آیت سے ہوجاتی ہے پس جبریل کی مدت عمر اور مدت عمر برھما اور عمر تمام عالم جسے برھماند کہا جاتا ہے جب حساب میں آتی ہے تو اٹھارہ ہزار رش ہوتی ہے اور ہر رش ہزار سال کا ہوتا ہے بغیر کسی کمی وبیشی کے جیسا کہ ھندوستان کے موحد عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ کہ موحدان ہند کے مطابق خصوصیت اعداد اٹھارہ ہزار تک محدود ہے اور اس سے آگے کے دس اور آٹھ اٹھارہ پر منحصر ہوتا ہے انھوں نے کوئی مرتبہ شمار قرار نہیں دیا اور وہ قیامت ہائے صغریٰ جو اس مدت کے مابین گزری ہیں اور گزرینگی ان قیامتوں کو وہ «کھنڈ پرلے» کہتے ہیں اور یہ کسی طوفان آب کی شکل میں ہوتی ہے یا طوفان آتش کی صورت میں یا پھر طوفان باد کی شکل میں اور جب یہ مدت گزر جاتی ہے تو اس دن کی شام ہوجاتی ہے۔ اور پھر قیامت کبری ہوجائیگی کہ جسکو «مہاپرلے» کہتے ہیں اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق «یوم تبدل الارض غیر الارض» یعنی جس روز کہ زمین کو غیر زمین سے بدل دیا جائیگا «ویوم نطوی السما کطی السجل للکتب» یعنی جس آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیا جائیگا جسطرح کتابت کے کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اور قیامت کبری کی شب بطون جو روز ظہور کے برابر ہوگی اور تمام تعینات ذات باری میں فنا ہو جائینگے یعنی اٹھارہ ہزار سال۔

اور سکھاتم جو سکھوپت اور عالم جبروت سے عبارت ہے اور اس سکھوپت کی عمر

ذات باری سے وابستہ ہے جو ایجاد خلق اور فنائے عالم سے بے نیاز ہے۔ اور اس آیتہ کریم میں «سنفرغ لکم أیها الثقلان» یعنی جلد ہی ہم تم سے فارغ ہونگے اے گروہ «ثقلان» اسی سکھویت کی طرف اشارہ ہے اور ذات ایسام ظہور عالم میں مقام ماسوت میں جلوہ ورما ہے اور قیامت ہائے صغرے میں وہ مقام ملکوت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور قیامت کبری کے بعد عالم جبروت میں۔

اے عزیز جو کچھ کہ اس باب میں لکھا گیا ہے وہ بےحد دقت نظر اور بڑی تلاش وتحقیق کے بعد لکھا گیا ہے جسے میں صوت کشف کہہ سکتا ہوں اور یہ کشف اس آیت کریمہ کے مطابق ہے اور باوجود یکہ توبے کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے اور نہ کسی شخص سے سنا ہے اگر ناقصوں میں سے کسی کے کانوں پر یہ حرف گراں گزرے تو ہمیں اسکی کوئی پرواہ بھی نہیں ہے۔

«وان الله غنی العالمین» اللہ پاک دونوں دنیاؤں سے بے نیاز ہے۔

بیان بے نہایتی ادوار

ہندوستان کے اہل تحقیق کے نزدیک حق تعالی کے لئے یہی ایک رات اور ایک دن نہیں ہے بلکہ یہ رات جب ختم ہوتی ہے تو دن طلوع ہوتا ہے اور جب دن پورا ہوتا ہے تو پھر رات شروع ہوجاتی ہے اسی لئے وہ بے نہایت ولا غیر ہے اسکو «اناد یر واہ» کہتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی نے اس بے نہایتی ادوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

ماجرائے من ومعشوق مرا پایاں نیست ہر چہ آغاز ندارد نہ پذیرد انجام

میرے اور میرے معشوق کے مابین قصۂ عشق کی کوئی نہایت نہیں ہے جس کا کوئی آغاز نہیں اسکا کوئی انجام بھی نہیں ہوتا ظہور ذات اور اسکی مخفی تجلیات کے سلسلہ میں پہلے دن اور پہلی رات میں جو کچھ ہو چکا ہے بعینہ وہی بعد کے دن اور رات میں ہوگا اس آیتہ کریمہ کے بموجب

«کمابدأنا اول خلق نعیدہ»

جس طرح ہم نے اول خلقت میں موجودات کو ظاہر کیا تھا اسی طرح پھر ہم

انہیں لوٹاتے ہیں۔ پس اس دور کے تمام ہونے کے بعد ابو البشر کو اس عالم امکان میں دوبارہ پیدا کیا جائیگا اور برابر اسی طرح ہوتا رہے گا « کمابدأ کم تعیدون » جیسا کہ تمہیں پیدا کیا گیا ہے ایسے ہی لوٹایا جائیگا۔ یہ آیت بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے

اگر کوئی شخص یہاں یہ شبہ کرے کہ اس سے تو پھر ہمارے پیغمبر کی خاتمیت ثابت نہ ہوسکے گی تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس آنے والے دن میں ہمارے پیغمبر بعینہ موجود ہونگے اور اس دور کے پیغمبروں کے خاتم ہونگے اور شب معراج کی اس روایت سے بھی اس کے لئے دلیل فراہم ہوتی ہے کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اونٹوں کی ایک قطار دیکھی جو ختم ہونے میں نہ آتی تھی اور ان میں سے ہر ایک اونٹ پر دو صندوق لدے ہوئے دیکھے ہر ایک صندوق میں ایک عالم اسی عالم کے مماثل تھا اور ہر ایک عالم میں انہیں کی طرح ایک ذات محمد تھی صلی اللہ علیہ وسلّم۔

حضور نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو خدا کے اس مقرب فرشتے نے جواب دیا کہ اے خدا کے رسول جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس قطار کو اسی طرح گزرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ اونٹ اپنے اپنے صندوق کو اسی طرح لئے ایکدوسرے کے پیچھے چلے جارہے ہیں اور میں خود بھی نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے یہ دراصل ادوار کی بے سابق کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ پاک کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ رسالہ مجمع البحرین کو مکمل کرنے کی توفیق مجھ ناچیز کو عطا ہوئی یہ سنہ ایکہزار پینسٹھ ہجری النبوی ہے اور اس فقیر بے اندوہ داراشکوہ کی عمر کا یہ بیالیسواں سال ہے۔ والسلام

ترجمہ کے لیے مولوی محفوظ الحق کے مرتبہ نسخہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے حواشی بھی اسی سے تعلق رکھتے ہیں راقم الحرف نے صرف انکا ترجمہ کیا ہے۔

کتابی دُنیا

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

افسر مودودی

محمد تغلق اور بعد میں علاء الدین خلجی کے زمانے میں اردو زبان حکومت کے عملہ کے ساتھ دہلی سے کوچ کرتے ہوئے راجستھان اور گجرات کے راستوں سرزمین دکن میں براجمان ہوئی اور راجستھانی، گجراتی، مہاراشٹری، تلنگی اور کنڑی زبانوں سے خلط ملط ہوگئی اور گجرات کے حلقہ میں گجری اور دکن کے علاقہ میں دکنی کے نام سے یاد کئے جانے لگی اور اسطرح گجری پر مقامی بولیوں کے الفاظ اور تراکیب، زبان کا اٹوٹ حصہ بن گئے اور دکنی میں علاقہ واری زبانوں کا ڈکشن اور حرفی اصول ہی دخیل نہیں ہوئے بلکہ زبان کا جزولاینفک بن گئے

سرزمین گجرات درحقیقت ایک طرف صوفیوں کی تعلیمات کی آماجگاہ رہا ہے تو دوسری جانب بادشاہوں کے قلمداںوں کا گہوارہ، ایک طرف اسلامی علوم وفنون کا مرکز رہا ہے تو دوسری جانب زبان و ادب و تہذیب وثقافت کا آئینہ۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سلاطین گجرات نے نہ صرف مقامی زبانوں کی نشو و نما اور ترویج و اشاعت کی خاطر ہر ممکنہ کوششیں کیں بلکہ اردو زبان و ادب کی ترقی و تحفظ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور یہ بولی جانے والی عوامی زبان اردو عموماً گجری کے نام سے موسوم ہوگئی اور اس کی اشاعت و فروغ میں جہاں

اردو کے باوا آدم ولی گجراتی نے (جو ولی اورنگ آبادی کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں) اپنی اردو شاعری کے ذریعہ حصہ لیا وہاں اردو کے بین الاقوامی شاعر مرزا غالب دہلوی نے اپنے گجرات کے شاگردوں کے توسط سے اس زبان کو کافی فروغ دیا۔ اور بالفعل زبان اردو ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے مقابلے میں گجرات کی اردو زبان سے مختلف نہیں ہے اور بقول مولوی عبد الحق مولفہ مخزن الشعرا « اور انکی (اہل گجرات کی) زبان کسی طرح دہلی اور لکھنؤ کے عام شعرا سے کم نہیں بلکہ بعض ان میں استادانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ »

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اول اول عرب تاجروں اور سیاحوں کی بدولت عربی الفاظ گجراتی زبانوں میں دخیل ہوگئے اور بعد میں مسلم حکمرانوں کے دور حکومت میں فارسی الفاظ کا رواج عام ہوگیا اور یہ سلسلہ مغلیہ عہد حکومت میں اسقدر بڑھا کہ یہاں کی تہذیب و ثقافت اور زبان و ادب بلکہ زندگی کا ہر شعبہ اس زبان و ادب سے متاثر ہوا اور نتیجہ میں یہاں نہ صرف اسلامی علوم کے مراکز قائم ہوئے بلکہ صوفیوں کی خانقاہیں اور دائرے بھی کثیر تعداد میں عالم وجود میں آگئے اور اس طرح گجرات نے جہاں اسلامی ثقافت کو جذب کیا وہاں صوفیوں کی تعلیمات کو بھی اپنی زندگی کا حصہ تصور کیا اور اردو زبان کا سرمایہ اسقدر وقیع ہوگیا کہ پروفیسر نجیب اشرف ندوی اپنی تالیف لغات گجری میں لکھتے ہیں: « گجرات والوں کے لئے یہ بات قابل فخر ہے کہ اردو کی ابتدائی نشو و نما سے لیکر عہد مغلیہ کے تقریباً ابتدائے زوال تک یہ علاقہ اردو کی حیثیت سے اہم اور لائق عزت مقام کا حامل رہا ہے۔ »

ابتدا میں سرزمین گجرات میں خصوصیت سے سورت ، بھڑوچ اور احمدآباد میں بزم مشاعرہ اور محفل قوالی کے بڑے مراکز رہے ہیں اور انیسویں صدی کے نصف آخر میں بڑودہ بھی اردو شعر و سخن کا ایک اہم مرکز بن گیا اور مہاراجہ سیاجی راؤ گائیکواڑ (سوم) کے زمانے میں اردو شعر و شاعری اور قوالی و نغمات کی گونج اپنے شباب پر پہنچی یہاں یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گجرات میں ابتدائی اردو شاعری بیشتر اخلاق و تصوف پر مشتمل تھی اور ان میں بالخصوص شاہ علی جیو گام دھنی (متوفی ۹۷۲ ھ) کا دیوان بنام جواہر الاسرار جو ہندی آمیز

اردو میں ہے ، شاہ وجیہ الدین علوی (متوفی ۹۹۱ ھ) کے اقوال و ملفوظات جو زیادہ تر گجری میں ہیں ، اور میاں خوب محمد چشتی (متوفی ۱۰۲۳ ھ) کی مثنوی خوب ترنگ جو قدیم گجری میں ہے ، قابل قدر اور لائق صد تحسین ادبی شہ پارے ہیں لیکن ولی گجراتی جنہوں نے شاہ وجیہ الدین علوی سے باطنی کسب فیض کیا تھا اپنی سخندانی کے ذریعے اردو کو سادگی و صفائی اور رعنائی و دلکشی بخشی ۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو شاعری کا بڑودہ میں مہاراجہ سیاجی راؤ (سوم) کے دور حکومت میں اسقدر فروغ ہوا کہ اردو مدارس کے قیام کے ساتھ فارسی و عربی زبانوں کی تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا حتٰی کہ مہاراجہ سیاجی راؤ بڑودہ یونیورسٹی میں بھی اردو فارسی کا شعبہ قائم کیا گیا جو آج بھی بدستور جاری ہے اور جہاں پڑھائی کے ساتھ اشاعتی پروگرام کا بھی اہتمام ہے ۔ یہاں یہ عرض کر دینا غیر ضروری نہ ہوگا کہ بڑودہ میں اول اول کچھ ایسی نامور شخصیتیں بھی تھیں جو صاحب سیف و قلم تھیں جن میں خواجہ سعید شیدا ، میر سید ابراھیم علی وفا ، اور سید احمد حسن فدا قابل ذکر ہیں مؤخر الذکر کے صاحب زادے سید محمود حسین افسر نے بڑودہ کے علمی و ادبی حلقوں میں نام و نمود پیدا کیا اور اردو شاعری کو چار چاند لگائے اور تھوڑے ہی وقفہ میں استاد الشعرا اور کبھی افسر الشعرا کے نام سے یاد کئے جانے لگے ۔ یہ صحیح ہے کہ فدا نے بڑودہ میں سکونت اختیار کرتے ہی معاصرین کی معیت میں بزم مشاعرہ کی داغ بیل ڈالی اور انکے خلف الرشید افسر نے استادی کا درجہ حاصل کیا اور جن کو بڑودہ میں منعقدہ کل ہند مستشرقین کے اجتماع (۱۹۳۳ ع) پر طلائی تمغہ ان کے کلام پر بطور انعام دیا گیا ۔

افسر ایک طبیب حاذق ہی نہیں بلکہ قادر الکلام شاعر بھی تھے اور ان کے مراسم و روابط احسن مارہروی ، سائل دہلوی ، جلال لکھنوی ، وحشت کلکتوی ، جلیل مانکپوری ، شبلی نعمانی ، مولوی عبدالحق ، لالہ سری رام ، امیر مینائی ، داغ دہلوی ، حفیظ جالندھری ، فانی بدایونی اور آرزو لکھنوی جیسے مخدومین علم و ادب سے بالخصوص تھے اور یہ سب انکے قدردان تھے ۔ بڑودہ کے حلقۂ احباب میں سید ابراھیم علی خاں وفا

میر احتشام علی خاں جادو ، منشی عبد الکریم انور ، حکیم فخر الدین ناظم ، حکیم شرف الدین خاکی ، منشی قطب الدین نیر ، منشی محمد عثمان عیش اور جسٹس طیب جی قابل ذکر ہیں ۔

زیر نظر کتاب افسر مودودی - حیات اور شاعری میں اسکے مصنف ڈاکٹر وحید اشرف فرماتے ہیں کہ افسر کا کلام کیفیت کے اعتبار سے حزنیہ ، موضوع کے اعتبار سے عشقیہ ، طرز ادا کے اعتبار سے شوخی آمیز اور ظریفانہ اور زبان کے اعتبار سے سادہ اور بامحاورہ ہے ۔

افسر کے پسندیدہ شعروں میں سے چند پیش خدمت ہیں جن سے انکے افکار و خیالات کی بلندی اور زبان و بیان کی دلکشی کا اظہار ہوتا ہے ، ملاحظہ ہوں ۔

لـــذت بقدر تلخی آزار ہی نہیں	یعنی کـــہ سہل مردن دشوار ہی نہیں

سرک آئے ہیں گیسو عارض پرنور حضرت پر
کہ کاجل جم گیا ہے منزل خورشید کی چھت میں

ہم کو تعظیم کے آداب سکھادیتا ہے	سامنے روضہ کے اللہ اللہ کے غبار بغداد

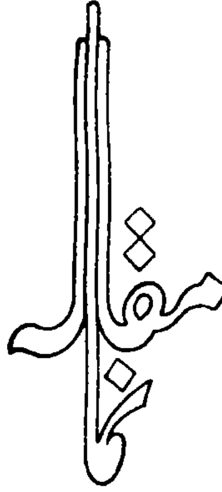
کس نے موسیٰ سے کہا طور پر جانے کے لئے
آگ لینے کو گئے تھے کہ آگ لگانے کے لئے

چلا جاتا ہے بند آنکھیں کئے ہر ایک اے افسر
عدم آباد کا رستہ بھی کیسا ہموار ہوتا ہے

زیر تبصرہ کتاب میں ڈاکٹر اشرف نے پہلی مرتبہ افسر کی زندگی اور انکے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور بالفعل یہ ایک قابل قدر اضافہ ہے — اور اسکے مؤلف اشرف صاحب قابل صد مبارکباد ہیں ۔

• • •

افسر مودودی — حیات اور شاعری مؤلفہ ڈاکٹر سید وحید اشرف
ناشر : گوہر بکڈپو ، ٹریلیکین ہائی روڈ ، مدراس ۵
قیمت : چوبیس روپے



ادبیات

حسن اختر

اردو کی پہلی کتاب

ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی ، فروری ۱۹۸۴ع
جلد ۲۴ ، شمارہ ۲ ، ص ۲۸-۴۰

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب نے مولانا محمد حسین آزاد پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھا اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ انکی اردو کی پہلی دوسری تیسری اور چوتھی کتاب اردو کی اولیں درسی کتب ہیں .

فاضل مقالہ نگار نے اسکی نفی کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ ان سے پہلے بھی ایک درسی کتاب تسہیل التعلیم میجر فلر کی مرتب کی ہوئی ملتی ہے . اسکے علاوہ مبتدی کی پہلی کتاب (۱۸۶۱ع) جسے ڈاکٹر واکر اور پنڈت جے شنکر و پنڈت مکن لال نے لکھا ہے اور تعلیم الاطفال کا بھی سراغ ملتا ہے جو ۱۸۵۶ع کی تصنیف ہے

اعجاز علی ارشد

واہی کی ظرافت

ماہنامہ کتاب نما دہلی ، ستمبر ۱۹۸۳ع
جلد ۲۳ ، شمارہ ۹ ، ص ۵۳-۶۴

واہی کے کلام کی نمایاں خصوصیت مبالغہ آمیزی سے گریز اور روزمرہ کے قہقہہ بردوش واقعات کی فنکارانہ پیشکش ہے . وہ تخیّل کے سہارے مبالغے کی کارفرمائی کے سبب ظرافت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ حالات کی سیدھی سادی مصوری کرتے ہیں .

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کم از کم واہی نے جہاں کہیں مبالغہ آمیزی سے کام

لیا ہے اور زیب داستاں کیلئے کسی رنگ آمیزی کا سہارا لیا ہے۔ انکے کلام کی تاثیر میں کمی واقع ہوگئی ہے

مشکل قوافی وردیف، نادر تشبیہات واستعارات اور سخت الفاظ کے استعمال کے سبب واہی اسلوب کے لحاظ سے اکبر کی بہ نسبت سودا سے زیادہ قریب ہیں واہی آسان ودشوار انداز بیاں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں

واہی نے اپنی نظموں کیلئے مختلف فارم استعمال کئے ہیں۔

مجموعی طور پر واہی کی ظرافت تخیل سے زیادہ مشاہدہ ومطالعہ کی، مزاح سے زیادہ طنز کی اور لفظی داؤ پیچ یا تکرار خیال سے زیادہ الفاظ کے مناسب استعمال کی مرہون منت ہے۔

سید محمود احمد برکاتی

سرسید، ایک مورخ کی حیثیت سے

ماہنامہ برہان دہلی، اگست ۱۹۸۳ع
جلد ۹۱، شمارہ ۸ ص ۳۵ - ۴۹

سرسید کی بیشتر تحریروں کے موضوعات دینی یا سیاسی یا تاریخی ہیں انکے رسائل وکتب کی زیادہ تعداد تاریخ وسیرت سے متعلق ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے مندرجہ ذیل تصانیف کی روشنی میں سرسید کے تاریخی شعور کا جائزہ لیا ہے

(۱) آثارالصنادید
(۲) ترک جہانگیری
(۳) سلسلۃ الملوک
(۴) سیرت فرید

عبدالرحمن پرواز

شبلی اور انکے ناقدین

ماہنامہ جامعہ نئی دہلی، ستمبر ۱۹۸۳ع
جلد ۸، شمارہ ۹، ص ۷ - ۲۴

شبلی بیک وقت عالم دین بھی تھے متکلم اسلام بھی، فقیہ بھی تھے اور محدث بھی، مورخ بھی تھے محقق بھی، ادیب بھی تھے اور شاعر بھی، مصلح قوم بھی تھے اور ماہر تعلیم بھی، خطیب بھی تھے سیاسی مبصر بھی، نقاد بھی تھے اور نکتہ سنج بھی۔ انکی غیر معمولی ذہانت وفطانت، تبحر علمی اور انکے مطالعے کا عکس جمیل انکی متعدد تصنیفات وتالیفات میں نظر آتا ہے۔

تنقیدیں خواہ کسی قسم کی ہوں ان سے علم وفن کے نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

شبلی کے ناقدین مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر سید علی شاہ، شیخ محمد اکرام، محمد یحییٰ تنہا، مرزا عابد علی بیگ قزلباش، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، عبدالماجد دریابادی، میر افضل علی ضو، حسن رضا وجاں محمد عروج، نظیرالحسن فوق، حافظ محمود شیرانی، پروفیسر کلیم الدین احمد، محمد احسن فاروقی، عبادت بریلوی، خلیل

الرحمن اعظمی ، عبدالواسع عثمانی ، مولانا عبدالرؤف دانابوری ، حکیم سید مرتضیٰ حسین ، سیداولادحیدر بلگرامی ، مولوی عبدالحق محمد امین زبیری اور ڈاکٹر وحید قریشی کے افکار کا جائزہ لیا ہے ۔

کبیر احمد جائسی

بیــدل ــ شخصیت اور مــاحــول

ماہنامہ جامعہ نئی دہلی جنوری ۱۹۸۴ع
جلد ۸۱ ، شمارہ ۱ ، ص ۷ ـ ۳۹

بیدل ۱۶۴۴ع مطابق ۱۰۵۴ھ میں ایک صوفی مشرب خاندان میں پیدا ہوئے اس وقت ہندستان پر شاہ جہاں کی حکمرانی تھی ۔

بیدل کو اوائل عمر ہی سے تصوف سے لگاؤ تھا ، کم عمری سے ہی وہ عرفاء وصلحاء کی محفلوں میں جانے لگے تھے ان محفلوں کی تعلیمـات سے ویسے ہی انکا دل دنیـا سے بھرنے لگا تھـا یہی وجہ تھی کہ وہ قلندرانہ وضع کی زندگی بسر کرنے لگے اور مرتے دم تک (یعنی ۱۷۲۰ع) اسی وضع پر قایم رہے ۔

بیـدل کی زندگی کی کتاب کا ہر ہر صفحہ خوارق سے بھرا ہوا ہے ۔ انکی زندگی جن واقعات سے دوچار ہوتی ہے وہ عام انسانی زندگی کے واقعات نہیں ہیں ۔

بیـدل کے بچپن ہی سے یہ بات انکے دل میں ڈال دی گئی تھی کہ وہ اپنی پیـدائش کے دن ہی سے " یگانہ روزگار " کی حیثیت سے پیـدا کئے گئے ہیں یہیں سے بیـدل کی ایک مخصوص نفسیات کی تشکیل ہوتی ہے اور یہی چیز انکے کلام میں جاری وساری نظر آتی ہے

سردار جعفری

(مترجم) ریحان احمد عباسی

ترقی پسند تحریک اور اردو شاعری

قسط ۲ ـ ۳

اگست ۱۹۸۳ ، جلد ۲۳ ، شمارہ ۸ ، ص ۱۳ ـ ۲۸
ماہنامہ کتاب نما دہلی ، ستمبر ۱۹۸۳ع
جلد ۲۳ ، شمارہ ۹ ص ۵ ـ ۹

اردو کی پر تکلف شاعری کا عوامی شاعری سے کچھ رشتہ کمزور سا ہے ۔ جب ترقی پسند تحریک شـــروع ہوئی تو سید مطلبی فرید آبادی نے اس تعلق کو استوار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کام کو بہت آگے نہ بڑھا سکے ۔

ترقی پسند شاعری نے بزرگ شعراء کو بھی متاثر کیا ہے ۔

جدید نگارشـات کے سلسلے میں ایک اہم حقیقت طویل گم گشتگی کے بعد یہ سامنے آتی ہے کہ سماجی رجعت پســـندی اور سیاست کی تمام سـازشوں کے خلاف یہ انسان کا ایک جمالیاتی احتجاج ہے ۔ اس

ں داوں کا ایک طوفاں تشکیل کے عمل سے
ر رہا ہے اس عمل کو ترقی پسند ادب
شاعری کی مزید توسیع اور ترقی سے
یر کرنا چاہیے

یم حنفی

یلـــدرم کی رومانیت

اہنامہ جامعہ نئی دہلی نومبر ۱۹۸۳ء
جلد ۸۰، شمارہ ۱۱، ص ۷-۱٦

یلدرم کے افسانوں پر ایک سرسری
ر بھی ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا کہ انکا
صب العین رومانی فکر سے ہم رشتہ
فرادیت کے اثبات اور تحفظ کے ساتھ
اتھ ایک بہت باضابطہ اور منظم سماجی
ہوم کا حامل بھی تھا انہوں نے افادی ادب کے
ئج الوقت تصور سے الگ تخلیقی مقصدیت
ے ایک پرپیچ تصور کی تصدیق کی، اور
ں تصور کو حد سے بڑھی ہوئی مغرب
ستی، تاریخ کی یک رخی تعبیر، سماجی
طح پر ذہنی قدامت پسندی، جذباتی
عائیت اور دقیانوسی رواوں کے تضاد کی
ال بنا کر پیش کیا یہ ضرور ہے کہ انہوں نے
ں اظہار اور عمل کی کچھ حدیں الگ
گ بھی مقرر کرلی تھیں، جو آپس میں
، تو ٹکراتی ہیں نہ ایک دوسرے کو
مغلوب کرنے کے درپے ہیں، مگر ایک
دوسرے کی حرمت کا دفاع اور ایکدوسرے
کی آزادی کا احترام بھی کرتی ہیں۔

یلدرم نے اپنی رومانیت کا سرا ایک
روشن، ترقی پذیر اور ٹھوس سچائی سے
جوڑ دیا ہے۔ برے جمال پرستوں کی طرح
وہ اسرار کے ایک دائرے سے نکل کر
دوسرے دائرے کے قیدی نہیں بنتے بلکہ
اس اسرار کو ایک سماجی مواد میں منتقل
کردیتے ہیں بلکہ پس لازم ہے کہ جب
کبھی انکی رومانیت پر غور کیا جائے اس
کے سماجی لاحقوں کی طرف سے آنکھیں
پھیر نہ لی جائیں۔

عمیق حنفی

شـــعر کی ماہـــیت

ماہنامہ کتاب نما دہلی، نومبر ۱۹۸۳ء
جلد ۲۳، شمارہ ۱۱، ص ۱۵-۲۲

پہلے شاعری مسرت و بصیرت کو
پھیلاتی تھی علم وعرفان کے موتی لٹاتی
تھی۔ چونکہ انسان کے حافظے پر سارے
علم کا دارومدار تھا اسلئے شاعری الفاظ
کی موزوں بندش کے علاوہ کچھ نہ تھی
شاعری سے اپنے من کی بات پرزور و پر
اثر طریقے سے کہلانے کا کام بھی لیا
جاتا تھا

دور حاضر میں ہم شعر وادب اور فن کے نظریات کے سلسلے میں مغرب سے کمتری کے احساس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

مشرق اور مغرب کے مزاج میں جمالیاتی فنی اور شعری رویے ایکدوسرے سے برعکس ہیں مشرق کی موسیقی میں "ہارمنی" کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ استعارے اور علامت کو شاعری کیلئے عناصر ترکیبی اور شرائط اظہار میں شامل نہیں کیا گیا ترسیل معانی، آرائش اور توضیح میں معاون صائع کے طور پر برتا گیا اور بلاغت کے پیچیدہ اور لطیف ترین مدارج میں شمار کیا گیا بیان کی اہمیت تسلیم کی گئی اور اسکے خطیبانہ زور کو ایک قدر مانا گیا خد وخال کی وضاحت، صورتحال کی انشراح اور واقعے کا بیان مشرقی اظہارات کی خوبیاں تسلیم کی گئیں مشرق افقی سطح پر اظہار کرتا رہا ہے حکمہ مغرب نے عمودی جہت میں پرواز کرنا اور غوطے لگانا پسند کیا ہے۔

حامد علی خان

ابن الدمامینی اور اسکی شاعری

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۸۴ء
جلد ۱۴۳ ، شمارہ ۲ ص ۱۳۶ - ۱۴۹

شیخ بدرالدین محمد بن ابوبکر کی ولادت ٧٦٣ ھ میں مصر کے مشہور شہر اسکندریہ میں ہوئی، یہ ابن الدمامینی کے نام سے مشہور ہیں

تعلیم سے فارغ ہوکر اسکندریہ کے مدرسوں میں یکے بعد دیگرے تدریس کی خدمات انجام دیں پھر محکمہ قضا میں نائب مقرر ہوئے۔ تجارتی کاروبار بھی شروع کیا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

پھر الملک المؤید کے دربار میں باریاب ہوئے وہاں بھی مخالفین نے چین سے رہنے نہ دیا۔ شعبان ٨٢٠ ھ میں سلطان احمد بن محمد بن مظفر گجراتی کے عہد حکومت میں گجرات تشریف لائے۔

اہل ہند نے ابن الدمامینی کی پذیرائی کی لیکن عمر نے وفا نہ کی اور شعبان ٨٢٧ ھ میں دکن کے شہر گلبرگہ میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ابن الدمامینی فنون ادب میں ماہر اور ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ ابن الدمامینی کا محبوب ترین مشغلہ تصنیف و تالیف تھا انہوں نے گوناگوں موضوعات پر کتابیں لکھیں مگر ارباب تذکرہ نے چند ہی کتابوں کے نام گنائے ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) تاریخ الفرائد (۲) مصابیح الجامع شرح البخاری (۳) عین الحیاۃ (۴-۵) تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللبیب الاس ہشام النحوی (۶) جواہر البحور فی العروض (۷) العیون الفاخرۃ الغامرہ (۸) نزول الغیث الذی انجم فی شرح لامیتہ العجم (۹) الفواکہ البدریہ (۱۰) مقاطع الشرب (۱۱) الفتح الربانی (۱۲) اظہار التعلیل المعلق (۱۳) شمس المغرب فی المقرص والمطرب

اس الدمامینی ایک قادر الکلام پرگو اور زودگو شاعر تھے۔ انکا کلام محاسن شعری کا حامل اور نقائص سے خالی ہے۔ اس میں حرالت، پختگی، استحکام، روانی اور تنوع ہے۔ کلام متفرق ومنتشر حالت میں ہونے کی وجہ سے اشعار کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

عبدالستار دلوی

اردو میں لسانی آداب

ماہنامہ کتاب نما اگست ۱۹۸۳ء جلد ۲۳ شمارہ ۸، ص ۴۱- ۵۲

اردو میں شائستگی اور اظہار احترام کے باہم دگر الفاظ مربوط ہیں زبان اردو کے اس پہلو سے تہذیب وثقافت کے شہری ماحول کا اظہار ہوتا ہے۔ زبان اردو کی لسانیاتی ثقافت میں ہر انسان بلا لحاظ قوم ونسل، عمر جنس یا دولت قابل احترام ہے۔

اردو میں شائستہ گفتگو کا تعلق اظہار احترام کے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ جذبہ احترام ہی متکلم کو مذکورہ بالا اصول کے تحت مخاطب کے ساتھ شائستہ سے کیلئے مجبور کردیتا ہے اور یہ سارا عمل بعض شخصی ضمائر کے استعمال کے گرد گھومتا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے وافر مثالوں کے ساتھ اسے واضح کیا ہے

کنول ڈبائیوی

اردو کی ترقی میں عوامی ڈرامہ (سوانگ یا نوٹنکی) کا حصہ

ماہنامہ شاعر بمبئی، جلد ۵۴، شمارہ ۵، ۱۹۸۳ء ص ۳۳- ۴۲

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں کی ابتدا میں سوانگ ڈرامے جو نوٹنکی کے نام سے مشہور ہوچکے تھے پورے شمالی ہندستان میں عوامی ڈرامے بن چکے تھے حالانکہ انگریزی تہذیب کے مقلدوں نے کبھی ان عوامی ڈراموں کو اہمیت نہیں دی بلکہ تحقیر کی نظر سے ہی اسے دیکھا۔ اگر حقیقت پسندی سے کام

لیا جائے تو یہ سوانگ یا نوٹنکی ڈرامے کسی بھی پہلو سے یوروپین ڈراموں سے کم نہیں انگریزی کی نقل میں لکھے گئے ڈرامے اب طبع ہونا بند ہوگئے ہیں لیکن نوٹنکی ڈرامے برابر ہرسال ہزاروں کی تعداد میں طبع ہوکر فروخت ہوتے ہیں۔ ایک ایک کتاب کے تیس تیس چالیس چالیس ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں اب بھی یہ ڈرامے اردو رسم الخط کے محدود حلقہ تک رہ جانے کی وجہ سے دیوناگری رسم الخط میں طبع ہوتے ہیں لیکن انکی زبان وہی اردو ہوتی ہے طویل مدت تک یہ عوامی ڈرامے اردو کو عوام میں رائج کرنے اور دیہاتوں میں پھیلانے کا ذریعہ رہے ہیں اور یہ اردو کی خاموش خدمت ہے۔

انور سدید

اردو ادب میں وزیر آغا کا مقام

دوماہی الفاظ علیگڑھ نومبر دسمبر ۱۹۸۳ع
جلد ۸ شمارہ ۶ ص ۱۰-۲۳

وزیر آغا نے اپنی شاعری، تنقید اور انشائیہ سے ادب کا نیا ادراک پیدا کرنے کی سعی کی۔ تخلیق کے وسیلے سے انہوں نے کائنات کی لرزش خفی کو سننے اور اسکے بطون میں پوشیدہ اسرار کو بوقلمونی ممکن کرنے کی انداز میں سوال اٹھاکر تلاش کرنے اور اپنی خلاقانہ قوت سے آفاقی قدروں کا سرا پکڑنے کی کوشش کی ہے وزیر آغا کو ایسے ادبا اور مفکرین میں شمار کیا جاتا ہے جنکے نظریات، تصورات اور افکار نہ صرف اپنے عہد کیلئے اہم ہوتے ہیں بلکہ جو آنے والے زمانوں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔

انور سدید

پاکستان میں ۱۹۸۳ کا اردو ادب

ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی۔ فروری ۱۹۸۴
جلد ۲۴ شمارہ ۲، ص ۹-۲۷

صاحب مضمون نے ۱۹۸۳ میں تخلیق کئے جانے والے ادب کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے غزل، نظم، حمد و نعت و سلام، ناول افسانہ، انشائیہ، طنز و مزاح، سفر نامہ، خاکہ نگاری، یاد نگاری، خطوط، ملاقات نگاری، اقبالیات، غالبیات، تنقید اور رسائل و جرائد کے رجحانات کو اجاگر کیا ہے۔

پروفیسر محمد صدیق

بیرسٹر شیخ محمد اکرام نائب مدیر «مخزن»

ماہنامہ المعارف لاہور، فروری ۱۹۸۴،
جلد ۱۲، شمارہ ۲، ص ۲۹-۴۰

شیخ محمد اکرام کی ادارت میں شائع

ہونے والے ادبی رسائل « مخزن » « عصمت » « تمدن » اپس نسواں کے ساتھ ساتھ انکی زیر نگرانی مخزن لاہور اور دہلی میں طبع ہونے والی کتب ابو مسلم حراسانی ، مثنویات حسن ، انوار سہیلی کے انمول موتی کا جائزہ لیا ہے مزید برآں انکی مضمون نگاری پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔

ابوالکلام قاسمی

یلدرم کے افسانوں کی اہمیت اور فنی قدر وقیمت

ماہنامہ کتاب نما دہلی ستمبر ۱۹۸۳ جلد ۲۳، شمارہ ۹ ، ص ۴۴-۵۲

سجاد حیدر یلدرم نے اپنے عہد کی نثر نگاری کے عام رجحان سے الگ ہٹ کر ایک نئے طرز تحریر کی بنیاد ڈالی بلکہ (ترکی کے تراجم کے وسیلے سے) مغربی زبانوں بالخصوص فرانسیسی زبان کے اسلوب اور لب ولہجہ کا اردو نثر میں اضافہ کیا یلدرم کے افسانوں کو پریم چند کے افسانوں پر زمانی تقدم حاصل ہے ۔

سجاد حیدر یلدرم اپنی کہانیوں کے آئینے میں نہ صرف یہ کہ ایک رومانی نثر نگار اور ادب لطیف کے میدان کے علم بردار دکھائی دیتے ہیں بلکہ پہلی بار اردو زبان میں شعری نثر کی بنا ڈالتے ہیں

انکے افسانچوں کا فارم موجودہ دور کی منی کہانیوں سے مماثل ہے ۔

حامدی کاشمیری

نئی اردو نظم - آٹھویں دہائی کی دہلیز پر

ماہنامہ شبخون الہ آباد ، اگست ستمبر ۱۹۸۳ جلد ۱۷ ، شمارہ ۱۳ ، ص ۲۱-۲۵

نئی اردو نظم کے بعض منفی پہلوؤں پر زور ڈالنے کے باوجود فاضل مقالہ نگار اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ نئی نظم ماقبل کے ادوار کے مقابلے میں اس قابل ہوگئی ہے کہ یوروپی نظموں سے آنکھ ملا سکے

رحیم الدین کمال

جدید ہندوستان میں اردو کی بقاء اور ترقی کی تہذیبی ضمانتیں

ماہنامہ سب رس حیدر آباد (ہند) جون ۱۹۸۳ جلد ۴۳ ، شمارہ ٦ ص ۳-۱۱

فاضل مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اردو زبان وتہذیب کے ساتھ جدید ہندوستان کا مستقبل اسطرح وابستہ ہوگیا ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی ممکن نہیں ہے ۔ بر صغیر کو اگر ایک رشتے میں منسلک

کرنے والی کوئی قدر ہے تو وہ اردو تہذیب ہی ہے اپنے اس استدلال کو انہوں نے تاریخی، لسانی، تہذیبی اور سماجیاتی بنیادوں پر ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

نظام الدین ایس گوریکر

آغا حشر کی ایک نایاب نظم

ششماہی نوائے ادب بمبئی، اکتوبر ۱۹۸۳
جلد ۳۳ شمارہ ۲، ص ۶۵-۷۴

فاضل مقالہ نگار نے آغا حشر کی ایک نایاب نظم "شکریہ یورپ" بازیافت کی ہے یہ شاہکار نظم آغا حشر نے اپنے دوران قیام شمس العلماء حکیم فقیر محمد چشتی کے عشرت کدے پر چند گھنٹوں میں فی البدیہہ کہی یہ نظم مسلمانوں میں احساس بیداری پیدا کرنے کی غرض سے لکھی تھی۔

محمد انصار اللہ

زبان اردو کی ابتداء

ششماہی نوائے ادب بمبئی، اکتوبر ۱۹۸۳
جلد ۳۳ شمارہ ۲، ص ۱-۲۱

اردو قدیم ہندی (پوربی) کی ارتقاء یافتہ صورت ہے اسکی صوتیات، اسکا مزاج اسکی لفظیات کاماخذ جدید ہندی سے الگ ہے اور یہ جدید ہندی سے مختلف، منفرد اور ایک باضابطہ زبان ہے۔

شہزاد منظر

فیض احمد فیض کے سیاسی تصورات

ماہنامہ کتاب نما دہلی، اکتوبر ۱۹۸۳
جلد ۲۳ شمارہ ۱۰، ص ۴۹-۵۱

فیض نے خود کبھی اپنے اشتراکی اور انقلابی ہونے کا دعوی نہیں کیا البتہ روس سے انکی ہمدردی اور لگاؤ اور ادب کے لینن انعام نے انہیں اشتراکی بنا دیا۔ فیض کو سیاسی سطح پر مشہور کرنے میں انکے حامیوں نے اتنا کام نہیں کیا جتنا مخالفوں نے۔

فیض کے سیاسی افکار کیا ہیں؟ اسکی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ فیض کس پایے کے شاعر ہیں۔

میمونہ وحید

پطرس کی تحریف نگاری

ماہنامہ سب رس حیدر آباد جولائی ۱۹۸۳
جلد ۴۳ شمارہ ۷، ص ۱۳-۱۶

پیروڈی کو شعوری طور پر بیسویں صدی ہی میں استعمال کیا گیا۔ خاص طور پر

اردو نثر میں پیروڈی کا استعمال سب سے پہلے پطرس ہی کے ہاں ملتا ہے۔

پطرس نے بڑی کامیابی کے ساتھ لفظی طرزی اور موضوعاتی پیروڈی کو برتا ہے۔

مذہبیات

ملک حسن اختر

اقبال اور امام مالک

ماہنامہ کتاب نما ستمبر ۱۹۸۳، جلد ۲۳، شمارہ ۹، ص ۱۱-۱۵

علامہ اقبال فقہی مسائل میں کہیں امام ابو حنیفہ سے متفق ہیں کہیں امام مالک کے مسلک کو پسند کرتے ہیں اور کہیں ان دونوں سے الگ مسلک اختیار کرتے ہیں۔

وہ دونوں اماموں کی طرح قران حکیم کو قانون اسلامی کا سب سے بڑا ماخذ مانتے ہیں لیکن احادیث کو ایک کمزور ماخذ سمجھتے ہیں عبادات میں قیاس کو دخل نہیں ہے مگر ان معاملات میں جن میں قیاس سے کام لیا جاسکتا ہے وہ صحابہ کے اجماع سے اختلاف کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امر واقعی میں تو صحابہ کا فیصلہ ناطق ہے مگر امر قانونی میں ایسا نہیں ہے یہاں امام مالک سے انکو اختلاف ہے امام مالک تو اہل مدینہ کے عمل اور رائے کو حجت قرار دیتے ہیں۔

علامہ اقبال علم کی تصنیف کے بارے میں امام مالک سے متفق تھے مگر تقدیر کے معاملے میں دونوں کے نظریات میں اختلاف ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی

غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت کی شرعی حیثیت اور اسکی ضرورت واہمیت

ماہنامہ برہان دہلی ستمبر ۱۹۸۳ جلد ۹۱، شمارہ ۳ ص ۱۶۰-۱۸۰

غیر مسلموں میں تبلیغ ودعوت دین کی شرعی حیثیت پر متعدد آیات اور بے شمار احادیث سے روشنی پڑتی ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ سب سے بڑا معروف ایمان وتوحید اور سب سے بڑا منکر کفر وشرک ہے غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ ودعوت چونکہ دراصل انبیاء کرام والا کام ہے اسلئے اسکی اہمیت بھی زیادہ ہے۔

مسلمانوں کیلئے غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام اسلئے ضروری ہے کہ یہ انکا مذہبی

فریضہ ہے ، انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے اپنی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے ان سب کے علاوہ نیکی اور ثــواب کمانے کا بہترین راستہ ہے ۔

مسعود انور علوی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے گمنام خلیفہ
حافظ عبدالغنی

ماہنامہ برہان دہلی ستمبر ۱۹۸۳ جلد ۹۱، شمارہ ۳ ص ۱۸۱-۱۸۸

تحیقق کے باوجود یہ پتا نہیں چلتا کہ کہاں کے باشندے تھے اور کس سنہ میں دہلی آکر سکونت اختیار کی۔ اصل نام عبدالغنی تھا لیکن مرشد برحق کے حضور سے عبدالرحمٰن کے لقب سے ملقب ہوئے

صحاح ستہ حضرت اقدس سے پڑھیں اور اسرار باطنی خوب اخذ کئے چونکہ فطرتاً ان علوم سے لگاو تھا لہذا تھوڑے ہی عرصے میں کمال کی بلندیوں کو چھونے لگے عیال دار ہونے کے باوجود سب کچھ چھوڑ چھاڑ اپنے کو ہمہ تن مرشد برحق کی خدمت کیلئے وقف کردیا ۔ رفتہ رفتہ فنا فی الشیخ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز اور مرشد کامل گویا اسرار ومعارف کا نمونہ ہوگئے ۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی

سعودی عرب میں رویت ہلال

ماہنامہ الفــرقان لکھنؤ، اگست ۱۹۸۳ جلد ۵۱ شمارہ ۸ ، ص ۱۳-۲۲

مملکت سعودی عرب میں رویت ہلال کا فیصلہ اور اعلان چشم سر سے چاند دیکھنے والوں کی شہادت کی بنا پر ہوتا ہے اور شہادتیں صرف ان لوگوں کی قبول کی جاتی ہیں جنکے ثقہ اور معتبر ہونے کا یا تو قاضی کو براہ راست علم ہو یا اسکے ثقہ ہونے کی شہادت ایسے معتبر لوگ دیں جنکی دیانت وامانت قاضی کو معلوم ہو ۔

چاند کے سلسلے میں خصوصاً رمضان ، عید اور حج کے مہینوں کے چاند میں تحقیق وتحری کا اہتمام معمول سے زیادہ سختی کے ساتھ ہوتا ہے ۔ عام طور پر دو گواہ نہیں بلکہ ایک جماعت آکر قاضی کے سامنے گواہی دیتی ہے ۔ ان میں ثقہ اور معتــبر لوگوں کے بیانات قلمبند ہوتے ہیں ۔ اکثر ان سے جــرح بھی کی جاتی ہے ۔ پھر ان شہادتوں کو قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اسکی تصدیق کے بعد معاملہ ولی الامر (بادشاہ) کے سامنے پیش ہوتا ہے ۔ بادشاہ وقت کی توثیق کے بعد اسکا اعلان ہوتا ہے ۔

یہ کہنا غلط ہے کہ سعودی عرب میں رویت کا اعلان حساب و اعداد کی روشنی میں مشینی (کمپیوٹر) یا غیر مشینی ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔

پروفیسر سعید نفیسی
(ترجمہ) خواجہ حمید یزدانی

حافظ کا مذہب

ماہنامہ المعارف لاہور، جون ۱۹۸۳ع
جلد ۱۶، شمارہ ۶، ص ۳۳ - ۳۶

پوری آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) میں، حافظ کے زمانے میں فارس کے لوگ یقینی طور پر سبھی حنفی تھے۔ حافظ بھی اسی حنفی مسلک کا پیرو تھا۔

حافظ کے اشعار میں بھی اس امر کے اشارے ملتے ہیں۔

یہ بات کہ حافظ کے کلام میں بعض ایسے اشعار ہیں جو اسکے تشیع پر دلالت کرتے ہیں، درست نہیں مضمون نگار کے نظریے کے مطابق ایسے تمام اشعار الحاقی ہیں جنھیں کسی طرح اسکے دیوان میں شامل کرلیا گیا ہے۔

شخصیات

محمد اقبال انصاری

حافظ ابن کثیر

پندرہ روزہ تہذیب الاخلاق علیگڈھ،
۱۶ ستمبر ۱۹۸۳ع جلد ۲ شمارہ ۱۸ ص ۹-۳۱

حافظ ابن کثیر کا اصل نام اسمٰعیل، کنیت ابوالفداء اور لقب عماد الدین تھا۔ اگرچہ انکے والد کی کنیت ابوحفص، اور لقب شہاب الدین اور نام عمر بن کثیر (۶۴۰ - ۷۰۳ ھ) تھا مگر وہ باپ کے بجائے دادا کے نام پر ابن کثیر مشہور ہوئے۔

حافظ ابن کثیر ملک شام کے صوبہ حما کے ایک گاؤں مجدل میں ۷۰۱ ھ میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کے تھے کہ انکا خاندان دمشق منتقل ہوا اور وہاں کے مشہور اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

تحصیل علم کے بعد خود ابن کثیر نے درس وتدریس کا کام شروع کیا اور اسکا آغاز دمشق ہی کے مدرسہ نجیبیہ سے کیا جہاں ۱۱ جمادی الاولی ۷۳۶ ھ کو پہلا درس دیا۔

ساری عمر درس وتدریس میں گذاری آخر عمر میں بصارت سے محروم ہوگئے۔ اور

بالآخر ۱۸ یا ۲۶ شعبان ۷۷۴ ھ میں وفات پائی اور اپنی وصیت کے مطابق مقبرہ صوفیہ میں اپنے استادشیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی قبر کے نزدیک دفن کئے گئے انکی شادی انکے استاد شیخ جمال الدین المزی کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی جنکا نام امتہ الرحیم زینب تھا۔ انکی اولاد میں چار بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے۔

انکی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد جنکا ابتک پتا چل سکا ہے چھتیس (۳۶) ہے۔ ان میں گیارہ زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ تین کے قلمی نسخے موجود ہیں اور بائیس کے صرف نام ملتے ہیں

احمد حسن

ماوردی ــــ حیات اور کارنامے

ماہنامہ برہان دہلی، اکتوبر ۱۹۸۳ء جلد ۹۱ شمارہ ۴، ص ۵۰- ۶۰

ماوردی کا پورا نام ابوالحسن علی بن حبیب تھا۔ انکی پیدائش ۳۶۴ ھ قمری مطابق ۹۷۴ء میں بمقام بصرہ ہوئی اور وفات ۴۵۰ ھ قمری مطابق ۱۰۵۸ء میں بغداد میں ہوئی۔

ابتدا میں خود کو معلم کے پیشے کیلئے تیار کیا بعد میں اپنی لیاقت وشہرت کے سبب قضا کے عہدے پر مامور ہوا۔

خلیفہ مقتدی اور القائم نے ماوردی کو ایک بہترین سیاسی آلۂ کار تصور کیا جو ہمہ وقت برسرپیکار شخصیات اور جماعتوں کے درمیان مفاہمت کیلئے موجود تھا۔

علم وفن کے میدان میں ماوردی نے مختلف علوم پر اظہار خیال کیا ہے جس میں علم سیاسیات، مذہبی علوم اخلاقیات اور صرف ونحو شامل ہیں

تصنیفات وتالیفات

مذہبی علوم، تفسیر القرآن (نکتہ و العیون اصل نام ہے) کتاب الاقناع - کتاب الاعلام والنبوۃ

اخلاقیات وقواعد:

کتاب کمال الامثال والحکمیہ - کتاب بغیتہ العلیا کتاب فی نحو - کتاب فی الصرف -

علم سیاسیات:

الاحکام السلطانیہ - ادب القاضی - تسہیل النظر فی التعجیل الظفر - نصیحۃ الملوک

محمد صلاح الدین عمری

قاضی ارتضا علی خان خوشنود ایک جائزہ

ماہنامہ برہان دہلی جولائی ۱۹۸۳، جلد ۹۱ شمارہ ۱ ص ۵۱-۶۰

قاضی محمد ارتضا علی خان بہادر خوشنود کی پیدائش خطۂ اودھ کے ایک قدیم ترین قصبہ گوپامئو (ضلع ہردوئی) کے مشہور و معروف علمی گھرانے، خاندان فاروقیان کے ایک معزز ہستی قاضی مصطفٰی علی خان بہادر خوشدل کے یہاں ۱۱۹۸ھ - ۱۷۸۳ع میں ہوئی حکومت ۱۲۴۴ھ میں آپ کو تمام ممالک محروسۂ متعلقہ حکومت مدراس کے عہدہ قضاۃ کی معزز خدمت سپرد کی تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور مطالعۂ کتب کا محبوب مشغلہ تھا عربی وفارسی میں آپکی علمی تصانیف کی تعداد تقریباً بیس ہے فارسی عربی اور ہندی میں شاعری بھی کی ہے۔ کتبخانہ فاروقی میں آپکا ایک فارسی دیوان بھی ہے

آپ کا انتقال ۷ شعبان ۱۲۷۰ھ میں مقام دریدہ ہوا جسکی تفصیل تصریح الانساب میں درج ہے۔

نظام الدین ایس گوریکر

حارث صاحب - ایک پہلودار شخصیت

ششماہی نوائے ادب (بمبئی) جلد ۳۳ شمارہ ۲ (صفحات الف تا ح)

گوریکر صاحب نے معین الدین حارث صاحب کی حیات اور شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایک بے باک صحافی، ایک باوقار عالم، ایک فرض شناس خادم قوم، ایک بےغرض مجاہد آزادی اور ایک شریف انسان تھے۔

متفرقات

سید مسعود احمد

گوہر حیات اور اسکے حصول کا بہترین ذریعہ

ماہنامہ برہان دہلی، اکتوبر ۱۹۸۲ ع جلد ۹۱ شمارہ ۳، ۶ - ۲۶
نومبر ۱۹۸۳ع جلد ۹۱ شمارہ ۴ ص ۴۷ - ۵۲

آخر زندگی کا جوہر مقصود یا منتہائے مقصود کیا ہے جس کے ارد گرد زندگی کی ساری تگ و دو گردش کرتی ہے، انسان کا حاصل حیات اور منزل سعی و عمل کیا ہے جسکو پانے میں وہ سر گرداں رہتا ہے۔

دراصل انسانی زندگی کا جوہر مقصود «مکمل ذہنی سکون کا حصول ہے یا بالفاظ دیگر اطمینان قلب کا حصول یا سکون قلب ہی حیات انسانی کا جوہر ہے اور اس سکون قلب کو پانے کی یہ سب تگ ودو ہے۔

محمد فاضل بلوچ

جنوبی ایشیا میں عہد سلاطین
کے کتب خانے

ماہنامہ المعارف لاہور ، اکتوبر نومبر ۱۹۸۳ ع
جلد ۱۶ ، شمارہ ۱۰ - ۱۱ ص ۵۷ - ۷۰

اس عنوان کے تحت کتب خانہ سلطان محمود غزنوی ، سلطان محمد غوری ، سلطان قطب الدین ایبک ، سلطان شمس الدین التمش ، سلطان ناصر الدین محمود ، سلطان غیاث الدین بلبن . کتب خانہ حضرت نظام الدین اولیاء ، سلطان جلال الدین خلجی ، علاء الدین خلجی ، بختیار خلجی ، محمد بن تغلق ، فیروز تغلق ، کتب خانہ تاتار خاں ، بہلول لودھی ، سکندر لودھی ، غازی خاں ، سید ابراھیم دھلوی ، شیخ سعد اللہ اور سلاطین کشمیر کے کتبخانوں کا تعارف ہے .

کبیر احمد جائسی

اقبال انسٹی ٹیوٹ

ماہنامہ جامعہ نئی دھلی ، اگست ۱۹۸۳ ع ،
جلد ۸۰ ، شمارہ ۸ ، ص ۳۴ - ۴۸

سری نگر کشمیر میں مارچ ۱۹۷۹ ع میں شیخ صاحب مرحوم کی توجہ سے ایک اقبال انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا جس کے پہلے ڈائرکٹر آل احمد سرور تھے .

انسٹی ٹیوٹ کے قیام کے بعد اقبال پر باقاعدہ تحقیقی کاموں کی ابتداء ہوئی . اقبال پر کتابوں کی اشاعت کا کام شروع ہوا . سیمیناروں اور توسیعی خطبات میں مزید اضافہ ہوا .

صاحب مضمون نے اسکی اجمالی سر گذشت پیش کی ہے .

احمد حسن

کیکاؤس کا نظریۂ اقتدار اعلیٰ

ماہنامہ برہان دھلی ، ستمبر ۱۹۸۳ ع ،
جلد ۹۱ شمارہ ۳ ، ص ۱۴۹ - ۱۵۹

کیکاؤس کی حیات کی تفصیل کا زیادہ علم نہیں . اس کتاب کی تالیف کے وقت یعنی ۴۷۵ ع میں اس کی عمر ترسٹھ برس کی تھی وہ باعتبار حسب و نسب ایرانی اور ساسانیوں کے خاندان سے تھا . کیکاؤس محمود غزنوی کا داماد تھا . دربار غزنوی میں اس نے ایک امیر کی حیثیت سے گذاری مسعود اور سلجوقیوں کے درمیان جنگ دندقان کے بعد یہ امیر بر سرروزگار نہ رہا اور ان حالات میں رہ کر اس نے اپنی کتاب « قابوس نامہ » تالیف کی .

کیکاؤس کے نزدیک اقتدار اعلیٰ کا

اصلی مالک بادشاہ ہوتا ہے ۔ اور بادشاہی ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا تعالیٰ کم لوگوں کو نوازتا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بادشاہی خدا داد نعمت ہے ۔ لہذا بادشاہ خود اپنے حقوق و فرائض کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور عوام کو اس کا کوئی اختیار نہیں کہ وہ اس سے کسی قسم کی باز پرس کر سکیں

کلیم سہسرامی

بنگال کی پہلی فارسی تالیف

ماہنامہ معارف اعظمگڑھ ، دسمبر ۱۹۸۳ع
جلد ۱۳۲ شمارہ ٦ ، ص ۴۲۴ - ۴۳٦

بنگال میں سب سے پہلے فارسی کی جس کتاب کا سراغ لگا ہے اس کا نام «حوض الحیاۃ» ہے اسکا اصل متن سنسکرت زبان میں امرت کندھ کے نام سے موجود ہے جو ساتویں صدی ہجری قمری - تیرھویں صدی عیسوی میں سنسکرت زبان سے براہ راست ترجمہ کیا گیا اسکے مترجم بنگال کے قدیم دارالسلطنت لکھنوتی (گوڑ) کے جج قاضی رکن الدین محمد سمرقندی تھے ۔ انھوں نے ایک ہندو جوگی بھوجر برہمن کی مدد سے علی مردان خاں کے دور حکومت میں یہ علمی خدمت انجام دی ۔ اس کتاب کا موضوع ہندوؤں کا فلسفہ ریاضت ہے جسے ہندی میں جوگ اور سنسکرت میں یوگ کہتے ہیں ۔

حوض الحیاۃ بیاسی (۸۲) پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے ۔

ظفر الاسلام

فتاوی فیروز شاہی اور عصری مسائل

ماہنامہ برہان دھلی جولائی ۱۹۸۳ع
جلد ۹۱ شمارہ ۱ ، ص ۲۱ - ۳٦
اگست ۱۹۸۲ جلد ۹۱ ، شمارہ ۲
ص ۲۰ - ۳۴

فتاوی فیروز شاہی اصلاً صدر الدین یعقوب مظہر کہرامی کی تالیف ہے اس کی تکمیل و تنقیح سے قبل ہی مولف جاں بحق ہوگئے ۔ جب فیروز شاہ تغلق کو اس کا علم ہوا تو خود اپنی نگرانی میں اس کو از سر نو مرتب کردیا اسکا کوئی قطعی ثبوت فراہم نہیں ہوسکا کہ اسکی دوبارہ تالیف و ترتیب کس کے ذریعے عمل میں آئی ۔

گرچہ مضامین و مباحث کے اعتبار سے یہ فتاوی بھی کتاب باب و فصل میں منقسم ہے لیکن مسائل کی توضیح و تشریح کے لئے استفتاء و فتوی کا پیرایہ اختیار کیا

گیا ہے زبان کے معاملے میں بھی یہ
فتاوی منفرد ہے استفتاء و فتوی فارسی
میں درج ہیں لیکن فتوی کی تائید میں
اقتباسات فقہ کی عربی کتابوں سے دیئے
گئے ہیں۔ تقریباً پانچ سو صفحات کے
اس ضخیم مجموعے میں مستفتی کا نام
صرف ایک استفتاء سے قبل مذکور ہے
یہ فقہی سوالات خواہ عبادات کے ضمن
میں مذکور ہیں یا معاملات کے ابواب میں
زیر بحث آئے ہیں عہد وسطی کے ہندوستان
کے سیاسی، سماجی و معاشی مسائل کی
نشاندہی کرتے ہیں۔

قمر غفار

قابوسنامہ عنصر المعالی

ماہنامہ جامعہ نئی دہلی نومبر ۱۹۸۳ ع
جلد ۸۰، شمارہ ۱۱، ص ۲۶ - ۳۰

قابوسنامہ علم اخلاق کے موضوع پر
نہایت مشہور اور دلچسپ کتاب ہے اس
کتاب کا مولف عنصر المعالی کیکاؤس بن
سکندر بن شمس المعالی قابوس بن وشمگیر
بن زیار دیلمی (۴۷۵ھ - ۱۰۸۲ ع —
۴۱۲ھ - ۱۰۲۱ ع) ہے جو طبرستان کے
صوبہ میں ایک نیم آزاد حکومت کا فرمانروا
تھا۔ مولف نے اپنے دادا کے نام کو زندہ
رکھنے کی خاطر کتاب کا نام قابوسنامہ رکھا۔

مولف بظاہر اپنے بیٹے گیلان شاہ
کو تعلیم دینے کی خاطر قابوسنامہ لکھتا
ہے اور کتاب کا ہر باب بدان اے پسر کہ
کر شروع کرتا ہے مگر اسلوب بیان اور
ابواب کی تقسیم سے صاف پتہ چلتا ہے
کہ امیر کیکاؤس نہ فقط ایک فاضل شخصیت
بلکہ علم اخلاق کا ایک سنجیدہ دانشمند
اور گہری بصیرت رکھنے والا مفکر ہے
وہ زندگی کے ہر مسئلے پر نہایت شگفتگی
اور بے تکلفی کے ساتھ فلسفیانہ نظر
ڈالتا ہے۔

قابوسنامہ اسلوب کے اعتبار سے ایک سہل
اور آسان کتاب ہے اس کی نثر میں
پیچیدگی، تکلف اور تصنع نہیں ہے مولف
فارسی کے پرانے لفظوں اور پرانی اصطلاحوں
کو بے تکلف استعمال کر جاتا ہے۔ اپنے
شگفتہ انداز کی وجہ سے وہ بہت اچھی
صاف ستھری اور دلکش نثر لکھا جاتا ہے۔

قابوسنامہ مجموعی طور پر چوالیس (۴۴)
ابواب پر مشتمل ہے قابوسنامہ کی ایک
اہمیت یہ ہے کہ وہاں کسی نقطہ نظر کو
استدلالی بحث کے ذریعہ ثابت کرنے کی
بہت زیادہ کوشش نہیں کی جاتی بلکہ
تاریخی واقعات کی مدد سے حقیقت
و صداقت کو واضح کیا جاتا ہے اس کی
ہر حکایت قرون وسطی کے ایران کی
معاشرت اور آداب و رسوم کی چھوٹی سی
مگر نہایت خوبصورت تصویر ہے۔

قابوسنامہ ابتک عربی، ترکی، فرانسیسی

انگریزی اور جرمن زبان میں ترجمہ ہوچکا ہے ۔ اس کا اصل متن ہندوستان اور ایران میں بارہا شائع ہو چکا ہے ۔

شبیر احمد غوری

الجبرا کا آغاز

پندرہ روزہ تہذیب الاخلاق علیگڈھ، یکم جنوری ۱۹۸۲، جلد ۲، شمارہ ۱، ص ۱۷ ـ ۱۸

الجبرا عربی اصطلاح «الجبر والمقابلہ» کی ترخیم کی انگریزی شکل ہے اسکے دائرہ اطلاق میں مساواتوں کے علاوہ «مسئلہ ثنائی» «لوگارثمی مسئلہ» اجتماع وترتیب «تعریفی کسور» حتی کہ «نظریہ اعداد» وغیرہ بھی آتے ہیں ۔

عربوں میں ایک ہی «ورزش ذہنی» حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (۶۳۴ — ۶۴۳ ع) سے شروع ہوگئی تھی جس کا محرک ان کا یہ ارشاد گرامی تھا کہ

اذا تحدثوا فتحدثوا بالفرائض

(جب آپس میں گفتگو کیا کرو تو فرائض، یعنی وراثت کے پیچیدہ مسائل کے بارے میں گفتگو کیا کرو)

وراثت ووصیت کے مسائل کے حل کیلئے وہ مساوات کے دونوں پلڑوں کو آپس میں برابر رکھنے کیلئے کبھی ایک پلڑے میں کچھ اضافہ کرتے اور کبھی دوسرے میں سے کچھ نکال کر دیتے تھے ۔ ان دونوں عملوں کو وہ بالترتیب «جبر اور مقابلہ» کہتے تھے

مسلمانوں میں اس فن کا بانی محمد ابن موسی الخوارزمی نہیں ہے کیونکہ سند بن علی کی تصانیف میں مشہور ماہر کتابیات ابن ندیم اس موضوع پر ایک کتاب کا نام لیتا ہے

بہر حال جب تک الخوارزمی کا اور کوئی دوسرا ماخذ متحقق نہیں ہوجاتا الجبرا کے اسلامی الاصل ہونے کے مفروضہ کو علمی دنیا میں اسکے جائز مقام پر فائز رہنا چاہئے

سید محمد عقیل

گوشۂ عافیت میں طبقاتی کشمکش کا مطالعہ

دوماہی الفاظ علیگڈھ، ستمبر اکتوبر ۱۹۸۲ع جلد ۸، شمارہ ۵، ص ۷۴ — ۸۹

پریم چند نے پریم آشرم (گوشۂ عافیت) ۱۹۲۰ ع میں مکمل کیا ۔

گوشۂ عافیت میں کسان اور فیوڈل کلاس کے درمیان ایک کشمکش، ایک معاشی مسئلہ بن جاتی ہے ۔

پریم چند اگر کسانوں کے مسائل، ان کی نفسیات، استحصال کرنے والے زمین داروں، فیوڈل کلاس اور ان کے گماشتوں کی سرشت سے اچھی طرح واقف نہ ہوتے تو گوشۂ عافیت دیہی معیشت اور مسائل کی دستاویز نہیں بن سکتا تھا ۔

پریم چند کے تصورات محض آئیڈیلزم تھے ۔ یہ ضرور ہے پریم چند کے یہاں طبقاتی کشمکش کا وہ طریق کار نہیں جو کسی ماہر سماجیات یا تاریخ کا مادی شعور رکھنے والے کے یہاں ملتا ہے ۔

مقالہ نما ذیل کے رسائل سے ترتیب دیا گیا ہے

المعارف — ماہ نامہ
(مدیر ۔ محمد سعید شیخ)
ادارۂ ثقافت اسلامیہ ، کلب روڈ ، لاہور

الفرقان — ماہ نامہ
(مدیر : محمد منظور نعمانی)
۳۱ ، نیا گاؤں (مغربی) لکھنؤ

معارف — ماہ نامہ
(مدیر صلاح الدین عبدالرحمن)
دار المصنفین ، اعظم گڑھ (یو پی)

برہان — ماہ نامہ
(مدیر : سعید احمد اکبرآبادی)
اردو بازار ، جامع مسجد ، دہلی ٦

سب رس — ماہ نامہ
(مدیر : مغنی تبسم)
ادارۂ ادبیات اردو ، ایوان اردو
حیدرآباد (آندھرا)

الفاظ — دوماہی
(مدیر ۔ احمد سعید خاں)
ایجوکیشنل بک ہاؤس یونیورسٹی مارکیٹ علیگڑھ

شاعر — ماہ نامہ
(مدیر ۔ افتخار امام صدیقی)
مکتبہ قصر الادب ، بمبئی ۸

کتاب نما — ماہ نامہ
(مدیر ۔ شاہد علی خاں)
مکتبہ جامعہ اسلامیہ ، جامعہ نگر ، دہلی ۲۵

جامعہ — ماہ نامہ
(مدیر ۔ ضیاء الحسن فاروقی)
جامعہ ملیہ اسلامیہ ، نئی دہلی ۲۵

نوائے ادب — ششماہی
(مدیر : نظام الدین ایس گوریکر)
انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
دادا بھائی نوروجی روڈ ، بمبئی ۱

شب خون — ماہ نامہ
(مدیرہ : عقیلہ شاہین)
۳۱۳ ، رانی منڈی ، الہ آباد

تہذیب الاخلاق — پندرہ روزہ
(مدیر سید حامد)
علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ (یو پی)

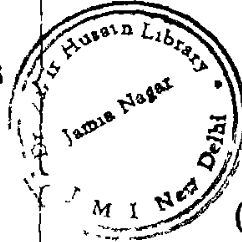
●

رسائل کے مدیروں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے رسائل و جرائد نوائے ادب میں مقالہ نما کی ترتیب کے لئے ڈائرکٹر کے نام بھیجیں ۔ (مدیر)

Edited by Dr Nizamuddin S Gorekar
Director, Anjuman - i - Islam Urdu Research Institute, Bombay 400 001
Published by Mr Abdul Majeed Patka
General Secretary Anjuman - i - Islam, Bombay 400 001 &
Printed by him from Adabi Printing Press
Saboo Siddik Polytechnic, 8, Shepherd Road, Bombay 400 008

مطبوعات و تالیفات

لغات گجری (مرتبہ) رقعات عالمگیر (مرتبہ) مقدمۂ رقعات عالمگیر (مولفہ) تاریخ ادب عربی (ترجمہ) برطانوی ہند کا نظام سیاسی (ترجمہ) سوراج (ترجمہ) رہنمائے صحت (ترجمہ) ترک موالات دوسرے ممالک میں (ترجمہ)	پروفیسر نجیب اشرف ندوی
ولی گجراتی (مولفہ) نورالمعرفت (مرتبہ) غزل ولی تک (مولفہ) اردو ایسیر (مرتبہ)	ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی
اردو مراٹھی شبد کوش (مرتبہ) نوائے وقت (مولفہ) گلمپسیز آف اردو لٹریچر (مولفہ) طوطیان ہند (مرتبہ) انڈوایران ریلیشنز. کلچرل اسپکٹس (مولفہ)	پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر
نوائے آزادی (مرتبہ) مرزا مظہر جان جاناں (مولفہ) مکاتیب مرزا مظہر (مرتبہ) مبادیات تحقیق (مولفہ) راگ مالا (مولفہ)	عبدالرزاق قریشی



نقطے اور شوشے (مصنفہ) ڈاکٹر عابد پشاوری

مخطوطات جامع مسجد بمبئی (مرتبہ) ڈاکٹر حامداللہ ندوی

مقالہ نما (مرتبہ) رقیہ اسامدار

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے فروری ۱۹۴۷ء میں الحاق ہوا)

اغراض و مقاصد

۱ ایم اے اور پی ایچ ڈی کی تعلیم کا انتظام کرنا
۲ اور دوسرے تحقیقی کام کرنے والے طلبہ کی اعانت کرنا
۳ تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون کرنا
۴ ایک جامع کتب خانہ اور دارالمطالعہ کا قیام کرنا
۵ مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کو ترتیب دینا
۶ نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت کرنا
۷ اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی مجلہ کا اجراء کرنا
۸ اردو کے فروغ کے سلسلہ میں ہر امکانی کوشش کرنا

نوائے ادب بمبئی

(۱۹۵۰ء)

(ہر سال دو بار اپریل اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے)

خصوصیات

۱ اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق
۲ گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی بالخصوص اشاعت
۳ اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع
۴ اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت
۵ اردو و دیگر کتب پر تبصرے

(سالانہ چندہ: ۱۵ روپیے)

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر
ڈائرکٹر
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
۹۲، دادا بھائی نورو جی روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱

REGISTRATION NO. [illegible]

NAWA-E-ADAB

(BIANNUAL)

VOLUMB : XXXIV
APRIL
1984



ANJUMAN-I-ISLAM
URDU RESEARCH INSTITUTE
[illegible] Dadabhoy [illegible] Road, Bombay 400 001



انجمن اسلام کی مجلس عاملہ

صدر

ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا

•

نائب صدر	نائب صدر	نائب صدر
جناب مصطفیٰ فقیہ	محترمہ ہماے پیر بھائی	جناب عزیز احمد بھائی
جائنٹ سیکرٹری	اعزازی جنرل سیکرٹری	جائنٹ سیکرٹری
جناب یوسف مراد	جناب عبدالمجید ای پالکا	جناب عبدالستار زری والا

• •

اعزازی خازن

جناب عبداللہ فقیہ

•

اراکین

جناب کے ضیاءالدین	محترمہ زلیخا مرچنٹ	جناب عبدالستار عمر
جناب مامون لقمانی	ڈاکٹر اے یو میمن	جناب فیض جمخانہ والا
پروفیسر عبدالقادر اے قاضی		پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

• • •

اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کمیٹی

چیرمن

جناب مصطفیٰ فقیہ

•

اراکین

جناب عبدالمجید ای پالکا — جناب عبدالستار زری والا

پروفیسر عبدالقادر قاضی

•

سیکرٹری

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

• • •

اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام سے تا حال ڈائرکٹران

پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی (۱۹۴۷ سے ۱۹۶۸ء)

پروفیسر سید ظہیرالدین مدنی (۱۹۶۹ سے ۱۹۷۴ء)

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر (۱۹۷۵ سے جاری)

نوائے ادب بمبئی

ششماہی

مدیر

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

•

جلد ۳۵ — شمارہ ۲

اکتوبر ۱۹۸۴ء

•

مندرجات

خبرنامہ

انجمن اساتذۂ اردو جامعاتِ ہند

انجمن ھٰذا کی کانفرنس کا دسواں اجلاس کالیکٹ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۳۰ ستمبر اور ۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو گورنمنٹ کالج ملاپورم (کیرل) میں صدر انجمن ڈاکٹر محمد حسن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جناب ٹی این جے چندرن صاحب وائس چانسلر کالیکٹ یونیورسٹی نے کانفرنس کا افتتاح کیا بیشتر جامعاتِ ہند کے اساتذۂ اردو شریکِ کانفرنس تھے۔

ڈاکٹر قاضی عبدالستار (علیگڑھ)، ڈاکٹر این ایس گوریکر (بمبئی)، ڈاکٹر تنویر احمد علوی (دہلی)، ڈاکٹر فضل امام (جے پور)، ڈاکٹر وہاب اشرفی (رانچی) ڈاکٹر مجاور حسین (حیدر آباد)، ڈاکٹر رضی الدین احمد (تیروپتی)، ڈاکٹر رحمٰن ثاقب (ملاپورم)، ڈاکٹر نجم الہدیٰ (مدراس)، ڈاکٹر سراج الاسلام (اوڑیسہ)، ڈاکٹر مشتاق احمد (کلکتہ)، ڈاکٹر مظہر حنفی (جموں)، ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی (ٹونک) ڈاکٹر بشیر الدین (کرناٹک)، ڈاکٹر شین اختر (بہار)، ڈاکٹر ممتاز رزین (میسور) ڈاکٹر خورشید حمیرا (کشمیر) اور دیگر مندوبین حضرات نے نہ صرف اپنے اپنے علاقوں میں اردو کی رفتار بلکہ تحقیقاتی مقالوں کے تعلق سے مقالے پڑھے اور بحث ومباحثہ میں حصہ لیا

آخری اجلاس میں مہاراشٹر کی یونیورسٹیوں میں بالخصوص ناگپور، پونہ اور مرہٹواڑہ یونیورسٹیوں میں شعبۂ اردو کے قیام کے سلسلے میں حکومتِ مہاراشٹرہ سے اپیل کے سلسلہ میں ایک تجویز پیش ہوئی پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر نے تحریک کی اور پروفیسر قاضی کبیر الدین نے تائید کی۔ تجویز متفقہ طور پر منظور ہوئی۔

صدر جلسہ ڈاکٹر محمد حسن نے انجمن اسلام بمبئی کے صدر ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا کے مکتوب گرامی کے حوالے سے اعلان کیا کہ اساتذۂ اردو جامعات ہند کی کانفرنس کے گیارھویں اجلاس کا انعقاد اکتوبر ۱۹۸۵ء کے اواخر میں بمبئی میں ہوگا

(ادارہ)

نوائے ادب بمبئی

ششماہی

مدیر

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

•

جلد ۳۵ — شمارہ ۲

اکتوبر ۱۹۸۴ع

•

مندرجات

خبرنامہ

انجمن اساتذۂ اردو جامعاتِ ہند

انجمن ہٰذا کی کانفرنس کا دسواں اجلاس کالیکٹ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۳۰ ستمبر اور ۱ اکتوبر ۱۹۸۴ع کو گورنمنٹ کالج ملا پورم (کیرل) میں صدر انجمن ڈاکٹر محمد حسن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جناب ٹی این۔ جے چندرن صاحب وائس چانسلر کالیکٹ یونیورسٹی نے کانفرنس کا افتتاح کیا۔ بیشتر جامعاتِ ہند کے اساتذۂ اردو شریکِ کانفرنس تھے۔

ڈاکٹر قاضی عبدالستار (علیگڑھ)، ڈاکٹر ایس۔ ایس گوریکر (بمبئی)، ڈاکٹر تنویر احمد علوی (دہلی)، ڈاکٹر فضل امام (جے پور)، ڈاکٹر وہاب اشرفی (رانچی) ڈاکٹر مجاور حسین (حیدرآباد)، ڈاکٹر رضی الدین احمد (تیروپتی)، ڈاکٹر رحمٰن ثاقب (ملاپورم)، ڈاکٹر نجم الہدٰی (مدراس)، ڈاکٹر سراج الاسلام (اوڑیسہ)، ڈاکٹر مشتاق احمد (کلکتہ)، ڈاکٹر مظہر حسن (جموں)، ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی (ٹونک) ڈاکٹر بشیر الدین (کرناٹک)، ڈاکٹر شین اختر (بہار)، ڈاکٹر ممتاز رزین (میسور) ڈاکٹر خورشید حمیرا (کشمیر) اور دیگر مندوبین حضرات نے نہ صرف اپنے اپنے علاقوں میں اردو کی رفتار بلکہ تحقیقاتی مقالوں کے تعلق سے مقالے پڑھے اور بحث ومباحثہ میں حصہ لیا۔

آخری اجلاس میں مہاراشٹر کی یونیورسٹیوں میں بالخصوص ناگپور، پونہ اور مرہٹواڑہ یونیورسٹیوں میں شعبۂ اردو کے قیام کے سلسلے میں حکومتِ مہاراشٹرہ سے اپیل کے سلسلہ میں ایک تجویز پیش ہوئی۔ پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر نے تحریک کی اور پروفیسر قاضی کبیر الدین نے تائید کی تجویز متفقہ طور پر منظور ہوئی۔

صدر جلسہ ڈاکٹر محمد حسن نے انجمن اسلام بمبئی کے صدر ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا کے مکتوب گرامی کے حوالے سے اعلان کیا کہ اساتذۂ اردو جامعات ہند کی کانفرنس کے گیارھویں اجلاس کا انعقاد اکتوبر ۱۹۸۵ع کے اواخر میں بمبئی میں ہوگا

(ادارہ)

ڈاکٹر اشیق صلاح
شعبۂ اردو گلبرگہ یونیورسٹی
گلبرگـــہ

گلـزار ابـــراهیم

«گلشن ہند» مولفہ مرزا علی لطف کا ماخذ «گلزار ابراهیم» ہے. اور اس کا مصنف علی ابراہیم خلیل تھا ڈاکٹر اختر اورینوی نے ان کے والد کا نام خواجہ عبد الحکیم لکھا ہے.[1] ان ہی کی پیروی میں ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ نے خلیل کے والد کا نام، خواجہ عبد الحکیم تحریر کیا ہے.[2] قاضی عبد الودود مرحوم نے اپنے ایک مضمون «بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء» شمارہ اول جنوری ۵۹ ع میں اس بات کی تردید کی ہے کہ خلیل کے والد کا نام خواجہ عبد الحکیم تھا. انھوں نے مختلف حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلیل کے والد کا نام محمد حسن رضا یا محمـــد رضـا تھا. خواجہ نہ خلیل کے نام کے ساتھ لکھا جاتا تھا اور نہ ان کے خاندان کے کسی فرد کے نام کے ساتھ، اور خواجہ عبد الحکیم، وزیر اودھ کے والد تھے. خلیل کے والد نہیں، وہ رقمطراز ہیں .-

> «خلیل کے والد کا نام خواجہ عبد الحکیم نہ تھا. خلیل نے خود صحف ابراہیم میں اپنے والد کا نام محمد حسن رضا لکھا ہے. (ترجمہ سرشار) لیکن بیاض حسین آباد میں حسن کے مولف خلیل کے برادر خورد کے اخلاف میں سے ایک صاحب ہیں محمد رضـا نام درج ہے. خواجہ نہ خلیل کے نام کے ساتھ لکھا جاتا تھا، اور نہ ان کے خاندان کے کسی اور شخص کے نام کے ساتھ، خواجہ عبد الحکیم شرف الدولہ محمد ابراہیم خارجہ تخلص بہ خلیل، وزیر

---

۱ ـ ڈاکٹر اختر اورینوی. بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء ـ پٹنہ ۱۹۵۷ ع
۲ ـ ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ. مرزا علی لطف حیات اور کارنامے. حیدرآباد ۱۹۷۹ ع ص ۱۰۹.

اودھ (سال قتل ۱۲۷۳ھ) کے والد کا نام تھا (سراپا سخن وتذکرۂ نادر مرتبہ جناب سید مسعود حسن رضوی)۔[1]

خلیل کے خطوط کے بارے میں مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر اوریںوی نے صرف اس قدر انکشاف کیا ہے کہ وہ خطوط برٹش میوزیم کے کتب خانے میں محفوظ ہیں[2] ایک اور محقق نے خطوط کا ذکر کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے تعلق سے یہ نہیں لکھا کہ وہ کہاں موجود ہیں؟ موصوف نے صرف اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ وہ بنارس سے کلکتہ کو کرنل مورے کے نام لکھے گئے تھے۔ قاضی عبدالودود مرحوم نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ خلیل کے خطوط نہ صرف لندن میں ہیں، بلکہ حسین آباد میں بھی اسکی دو جلدیں ہیں، اس کے علاوہ ریاض المنشات خدا بخش لائبریری پٹنہ میں، کثیر تعداد میں خطــوط موجود ہیں، جو انکی طرف سے تائید میں لکھے تھے۔ قاضی عبدالودود تحریر کرتے ہیں:

«خلیل کے مجموعے خطوط کا جو لندن میں ہے ذکر کیا ہے۔
مگر اسکی خبر نہیں کہ اسکی دو جلدیں حسین آباد میں ہیں اور
ریاض المنشات (کتب خانہ خدا بخش) میں ایسے بکثرت خطوط
جو ان کی طرف سے تائید میں لکھے تھے»[3]

علی ابراہیم شاعر بھی تھے۔ خلیل تخلص تھا۔ خلیل نے اپنے تذکرہ میں اپنا کلام درج نہیں کیا، جیسا کہ عموماً تذکرہ نگار کیا کرتے تھے۔ لیکن دوسرے تذکروں میں جہاں خلیل کا ذکر ہے، وہیں ان کے شعر بھی لکھے گئے

---

۱ - قاضی عبدالودود بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء - نوائے ادب جنوری ۱۹۵۹ع ص ۲۴

۲ - الف - ڈاکٹر عبدالحق - تذکرۂ گلزار ابراہیم ص ۲ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۳۴ع۔
ب - ڈاکٹر اختر اوریںوی - بہار میں اردو زبان کا ارتقاء ص

۳ - قاضی عبدالودود - بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء نوائے ادب جنوری ۱۹۵۹ع ص ۲۳

ہیں۔ ڈاکٹر اختر اورینوی نے اپنی تصنیف میں خلیل کے چار شعر درج کئے ہیں جن میں سے ایک « ریاض الفصحا » سے اور تین « سراپا سخن » سے لئے گئے ہیں۔ قاضی عبد الودود کا کہنا ہے کہ موصوف نے کتابیات میں ص ۴۲۰ پر « تذکرۂ شورش » اور « تذکرۂ مسرت افزا » کا ذکر کیا ہے۔ اگر وہ بہ نظر غور دیکھتے تو ان تذکروں سے انہیں مزید اور اشعار دستیاب ہوتے۔ وہ لکھتے ہیں :

> « انکا اردو کلام نایاب ہے۔ تاریخ شعرائے بہار میں صرف ۴ اشعار دیئے ہیں لکھا ہے کہ بہت تلاش سے ملے ہیں۔ تلاش کی داد نہ دینی واقعی بڑا ظلم ہوگا۔ تاریخ مذکور میں جو ۴ شعر ہیں اور یہی « بہار » میں نقل ہوئے ہیں۔ ان میں سے ۳ « سراپا سخن » اور ایک « ریاض الفصحا » سے ماخوذ ہے۔ مصنف نے « تذکرۂ شورش » اور « تذکرۂ مسرت افزا » (کتابیات ص ۴۲۰ میں بھی ان کے نام ہیں) پر نظر ڈالی ہوتی، تو انہیں اس کا علم ہوتا کہ اور اشعار بھی ہیں »۔[1]

مرزا اکبر علی بیگ نے اپنی تصنیف « مرزا علی لطف حیات اور کارنامے » میں خلیل کی پانچ تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱ - گلزار ابراہیم ۲ - تاریخ ابراہیم خان ۳ - صحف ابراہیم ۴ - تاریخ چیت سنگھ ۵ - رقعات[2]

لیکن ڈاکٹر زور نے گلزار ابراہیم کے مقدمے میں خلیل کی چھ تصانیف کے نام درج کئے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں :

۱ - گلزار ابراہیم ۲ - خلاصۃ الکلام ۳ - صحف ابراہیم (یہ دونوں فارسی شعراء کے تذکرے ہیں) ۴ - وقائع جنگ مرہٹہ ۵ - ایک کتاب میں راجا چیت سنگھ والی بنارس کے بغاوت کے حالات لکھے ہیں ۶ - خطوط[3]

---

۱ - قاضی عبد الودود - بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء۔ نوائے ادب جنوری ۱۹۵۹ء۔ ص ۲۴۔ ۲ - ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ - مرزا علی لطف حیات اور کارنامے ص ۱۱۱
۳ - مولوی عبد الحق - مقدمہ گلزار ابراہیم۔ ص ۲ (حاشیہ)

« تذکرۂ ابراہیم » ۱۱۹۸ھ ۱۷۸۴ع میں مکمل ہوا۔ مولوی عبد الحق کے بیان سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔[1]

گلزار ابراہیم کے متعلق ایک اور روایت یہ ہے کہ اس تذکرہ کی ابتداء ۱۱۸۴ھ میں ہوئی، اور چودہ برس کی محنت کے بعد مکمل ہوا۔ قاضی عبد الودود نے اس کے حاشیے سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں:

« گلزار ابراھیم ۱۱۹۸ھ میں مکمل ہوا ابتداء سنہ ۱۱۸۴ھ یہ بیان اطمینان بخش نہیں اس سلسلے میں دیباچۂ دستور الفصاحت کی طرف رجوع کیا جائے۔»[2]

ڈاکٹر حنیف نقوی نے اپنی تصنیف « شعرائے اردو کے تذکرے تذکرہ نگاری بحیثیت فن » میں لکھا ہے کہ علی ابراھیم خلیل کا تذکرہ عظیم آباد (پٹنہ) کا تیسرا تذکرہ ہے اس سے قبل دو تذکرے « تذکرۂ شورش » اور « تذکرۂ مسرت افزا » لکھے جا چکے تھے اور یہ تذکرہ ۱۱۹۰ھ تا ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۷۶ع تا ۱۷۸۵ع کے درمیان تالیف ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

« عظیم آباد سے متعلق اس زمانے کا تیسرا اور آخری تذکرہ علی ابراہیم خلیل کا « گلزار ابراہیم » ہے یہ تذکرہ ۱۱۹۰ھ۔۱۱۹۹ھ ۱۷۷۶ع۔۱۷۸۵ع کے درمیانی عرصے کی تالیف ہے۔»[3]

سب سے قابل ذکر بیان خود مصنف کا ہے۔ دیباچے میں اپنی تصنیف کا سنہ خود تحریر کیا ہے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

« ایں ماحول بحصول انجامید و بسال ایک ہزار و ہفت صد و ہشتادو

---

۱ - الف - مولوی عبد الحق مقدمہ گلزار ابراہیم ۔ ص ۲ (حاشیہ)
ب - ڈاکٹر سید عبد اللہ ۔ شعرائے اردو کے تذکرے۔ ص ۵۸

۲ - قاضی عبد الودود ۔ بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء ۔ نوائے ادب جنوری ۱۹۵۹ع ص ۲۴

۳ - ڈاکٹر حنیف نقوی ۔ شعرائے اردو کے تذکرے تذکرہ نگاری بحیثیت فن ۔ ص ۲۶۳

چہار عیسوی ، ایک ہزار و یک صد و نو دہشت ہجری از تسوید آں فراغ حاصل شد ۔ »[1]

ڈاکٹر زور کا کہنا ہے کہ اس اقتباس سے تذکرہ کے اختتام کی تاریخ ۱۱۹۸ ھ معلوم ہوتی ہے ۔ لیکن بعد میں مزید اضافے ہوتے رہے ۔ انہوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یہ تذکرہ بعد سالوں تک لکھا جاتا رہا ہے ۔[2]

علی ابراہیم کے اس تذکرہ کی خوبی جس کا ذکر اسپرنگر ، ڈاکٹر زور اور ڈاکٹر حنیف نقوی نے کیا ہے وہ اس کی تاریخی شہادتیں ہیں ۔ ڈاکٹر حنیف نقوی لکھتے ہیں :

« گلزار ابراہیم میں یہی تاریخی رجحان اکثر شعراء کے حالات ، تحریر کے زمانے ، اور اس زمانے میں ان کی جائے قیام ، طرز بود و باش اور سلسلۂ ملازمت کے بیان کی صورت میں نمایاں ہوا ہے ۔ »[3]

ڈاکٹر زور نے ان کے تذکرے کی اس خصوصیت کی بے حد تعریف کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۲۰۰ ھ سے قبل کے تذکروں میں ، شاعروں کی پیدائش کا سنہ یا سنہ وفات یا دوسرے اہم واقعات کی تاریخیں بالکل مفقود تھیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ تذکرہ نگاروں کے مذاق شعری پر غالباً گراں گزرتی ہوگی ۔ موصوف نے یہ دعوی کیا ہے کہ اگر کوئی متوجہ بھی ہوتا ، تو وہ علی ابراہیم کے برابر کامیابی حاصل نہیں کرسکتا ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

« اردو کے دوسرے (خصوصاً ۱۲۰۰ ھ سے قبل کے) تذکرہ نویسوں نے شاعروں کی پیدائش ، وفات یا دوسرے اہم واقعات کی تاریخیں لکھنے کا بالکل خیال نہ کیا یہ چیز یوں بھی ان کے مذاق شعری کے لئے بار گراں تھی ، لیکن اگر کوئی ان کی طرف توجہ بھی کرتا تو وہ علی ابراہیم کے برابر کامیاب نہیں ہوسکتا تھا ۔ »[4]

---

۱ ۔ ڈاکٹر زور ۔ مقدمہ گلزار ابراہیم ۔ ص ۳۵ ۲ ۔ ایضاً ۔

۳ ۔ ڈاکٹر حنیف نقوی ۔ شعرائے اردو کے تذکرے ، فن تذکرہ نگاری ۔ ص ۱۶۳

۴ ۔ ڈاکٹر زور ۔ مقدمہ گلزار ابراہیم ۔ ص ۳۴

ڈاکٹر زور نے شفیق کے « تذکرۂ چمنستان شعراء » کو فراموش کردیا یہ تذکرہ بھی ۱۲۰۰ ھ سے قبل کا ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۱۷۵ ھ ہے « چمنستان شعراء » میں شفیق نے اکثر واقعات کی سنین درج کی ہیں۔ لہذا یہ کہنا مناسب نہیں کہ اس سے قبل کے تذکروں میں تاریخ اور سنہ سے احساس برتا جاتا تھا۔ ڈاکٹر حنیف نقوی کا خیال درست ہے کہ دکن کی طرح عظیم آباد میں بھی تذکرہ نگاری کا فن تاریخی شعور سے آشنا تھا۔ ڈاکٹر حنیف نقوی بیان کرتے ہیں :

> « غرض کہ اس پچیس سالہ دور میں دکن کی طرح عظیم آباد کے ادبی ماحول اور اس کے دائرہ اثر میں بھی تذکرہ نگاری کا فن تاریخی شعور سے آشنا ہوا اور اس کی ترقی کے راستے ہموار ہوتے رہے »[1]

« گلزار ابراہیم » کے متعلق مختلف ناقدوں کی یہ رائے ہے کہ اس میں شعراء کے حالات تفصیل کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں انہوں نے سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کیا مستند اور معتبر ذریعوں سے انہوں نے حالات معلوم کئے ہیں۔ ڈاکٹر زور نے « گلزار ابراہیم » کے مقدمے میں لکھا ہے کہ علی ابراہیم سرکار انگریزی میں ملازم تھے۔ اس لئے وہ مغربی ادب سے روشناس اور متاثر بھی ہوئے تھے اور وہ ایک ذی اقتدار حاکم تھے اس لئے انہیں مواد کے فراہم کرنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر زور رقمطراز ہیں۔

> « علی ابراہیم انگریزی سرکار کے ملازم تھے۔ وہ مغربی طرز کی تحریروں اور مغربی مذاق سے روشناس ہوگئے تھے اور چونکہ وہ ایک ذی اقتدار حاکم تھے اپنے مذاق اور مرضی کے مطابق مواد فراہم کرنے میں انہیں اپنے دوستوں اور عزیزوں کے علاوہ اپنے ماتحتوں اور ملازمین سے بھی مدد ملی۔ جو اپنے حاکم کو خوش رکھنے کی خاطر اس کام کی طرف فطرتاً زیادہ سے زیادہ توجہ کرسکتے تھے۔ اسکے علاوہ چونکہ وہ صاحب ثروت اور ذی اثر آدمی تھے۔ انہوں

---

۱ ۔ ڈاکٹر حنیف نقوی ۔ شعرائے اردو کے تذکرے، فن تذکرہ نگاری۔ ص ۱۶۳

نے دور دور کے شاعروں سے بھی ان کے یہاں آدمی روانہ کرکے
یا ڈاک کے ذریعے سے حالات طلب کئے "[1]

"گلزار ابراہیم" کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں طرفداری یا رنگ آمیزی موجود نہیں۔ انہوں نے کسی دبستان سے اپنے آپ کو وابستہ کیا ہے اور نہ کسی سے مخالفت کی ہے۔ اس تذکرے سے خانگی حالات، کردار اور معاشرت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ایک اور خصوصیت کا ذکر ڈاکٹر زور نے "گلزار ابراہیم" کے دیباچے میں کیا ہے۔ وہ یہ کہ ۱۲۰۰ھ سے قبل شمال میں اردو شاعری کا جو ارتقاء ہوا، اس کی تفصیل اس تذکرے میں درج ہے کہ کون کون سی اصناف مروج تھیں اور شعری سرمایہ کس قدر تھا۔ مرثیہ گوئی نے اس عہد میں جتنی ترقی کی تھی، اس کے متعلق معلومات سوائے "گلزار ابراہیم" کے کسی اور تذکرے میں نہیں ملتے۔ اس میں ان تمام شعراء کا حال درج ہے۔ جو عظیم آباد، پٹنہ اور اودھ کے علاوہ ہندستان کے دوسرے علاقوں میں رہا کرتے تھے۔[2]

ڈاکٹر زور نے جہاں اس تذکرے کی اتنی خوبیاں بیان کی ہیں۔ وہاں انہوں نے اسکی خامیوں کیطرف بھی اشارہ کیا ہے۔ انکا خیال ہے کہ یہ تذکرہ اگر حروف تہجی کے لحاظ سے نہ لکھا جاتا بلکہ ترتیب زمانی کو پیش نظر رکھکر تحریر کیا جاتا تو یقیناً یہی اردو شعراء کا سب سے اچھا تذکرہ ہوتا۔ وہ لکھتے ہیں :

"ان چند اہم امور کیطرف اشارہ کرنے کے بعد اور گلزار ابراہیم کی خصوصیات پر نظر ڈالنے سے پہلے اسکے اس نقص کیطرف اشارہ کردینا بھی ضروری ہے کہ وہ ٹھیٹ پرانے طریقے پر لکھا گیا ہے اگر علی ابراہیم شاعروں کے حالات انکے تخلصوں کے حروف تہجی کے لحاظ سے نہ لکھتے بلکہ ان کے زمانوں کے لحاظ سے لکھتے تو یہ تذکرہ غالباً اردو کا ایک بہترین تذکرہ بن جاتا۔"[3]

● ● ●

---

۱ ۔ ڈاکٹر زور ۔ مقدمہ گلزار ابراہیم ۔ ص ۳۳ ۔ ۳۴
۲ ۔ ایضاً ص ۳۹ ۔ ۴۱
۳ ۔ ایضاً ص ۳۴

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی
دہلی یونیورسٹی

ایرانی صوفیا کی تصانیف اور مشائخ چشت

صوفیائے کرام نے حصول معرفت خداوندی کے لئے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا وہ درحقیقت علم تھا مشائخ کرام کا یہ انداز ظاہر ہے اسی نقطۂ نظر کی پیروی ہے جو حصول علم کے لئے اسلام نے پیش کیا ہے۔ چشتی سلسلۂ تصوف میں بھی علم کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے اس وقت صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر خلیفۂ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرمایا کرتے تھے کہ جاہل پیر مسخر شیطان ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہ حقیقت و سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔[1]

چشتی بزرگوں کی نگاہ میں علم اور حصول علم کی اہمیت کو اس دوسری مثال سے اور بھی واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کے خلیفہ حضرت نظام الدین اولیا نے اپنے پیر و مرشد کے درج بالا عقیدے کی تصدیق و تائید میں فرمایا :

«پیر آنچناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او ہیچ نامشروع نہ فرماید۔»[2]

---

۱ - تذکرۃ الاولیاء عطار میں علم سے متعلق تقریباً یہی بات ابوالحسن خرقانی سے منقول ہے کہ: دین را از شیطان آں فتنہ نیست کہ از دو کس۔ عالمی بر دنیا حریص و زاہدی از علم برہنہ۔

۲ - فوائد الفواد ، ص ۱۴۷

سیر الاولیا میں یہاں تک تحریر ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو عالم نہ ہو ، خلافت عطا نہیں فرماتے تھے ۔[1]

چشتی دبستان تصوف سے وابستہ مشائخ نے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اور حضرت نظام الدین اولیا کے علم و حصول علم سے متعلق ان عقائد کو اپنے سلسلے کی بنیاد قرار دیا ۔ درس و تدریس کو اپنا شیوہ بنایا ۔ مذہب و تصوف کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کیا ۔ انہوں اپنے وابستگاں کو پڑھایا ۔ ان حضرات کی مجالس میں علمی و مذہبی اور تصوف کے متعلق موضوعات پر گفتگو ہوا کرتی تھی یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ اس گفتگو کے دوران پیشرو مشائخ کے اقوال و افکار نقل کئے جاتے تھے اور اپنے سلسلۂ تصوف سے مختلف کسی دوسرے سلسلے کے مشائخ کی تصانیف کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا بلکہ مفید کار مطالب کی خوشہ چینی میں مشائخ ہند نے نہایت وسیع القلبی اور خالص علمی رویے کا مظاہرہ کیا ہے ۔

ایران میں تصوف اور اس سے متعلق مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ ان میں سے بعض کتابوں میں تصوف ، اس کے اصول اور سالکان طریقت کے مقامات کو موضوع بحث قرار دیا گیا ہے ۔ چند کتابیں صوفیائے کرام کے حالات و افکار پر بھی لکھی گئی ہیں ۔ اسی طرح دینی مسائل ، اخلاق و حکمت اور ادب پر بھی ایرانی مشائخ نے اپنے خیالات و افکار کو قلم بند کیا ہے ۔

ایرانی صوفیا کی اکثر و بیشتر کتابیں ہندستان میں ہمارے چشتی بزرگوں کے مطالعے میں رہی ہیں اور انہیں تصوف کی بنیادی کتابیں سمجھا جاتا رہا ہے ۔ ایسی صورت میں یہ کہا جائے تو بے بنیاد نہ ہوگا کہ چشتی سلسلۂ تصوف کے فکری نظام کی ترتیب و تدوین اور اس سلسلے کے عقاید و افکار کی تصدیق و توثیق میں ان کتابوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے ۔ اسی طرح ہندستانی مشائخ نے ایرانی شیوخ کے آثار کی علمی و عرفانی قدر و منزلت کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے ، اس سے متعلقہ کتب کی اہمیت و کیفیت پر روشنی پڑتی ہے اور خود مصنف کے اس مقام کا اندازہ ہوتا ہے جو اسے ہندستانی صوفیا کی نظر میں علم و معرفت کے میدان میں حاصل تھا ۔

---

۱ ۔ سیر الاولیا ، ص ۲۸۸

تاریخ تصوف سے قطع نظر ، ایرانی صوفیا کی تصانیف فارسی ادب کی ریخ میں بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں ۔ یہ کتابیں اس زبان کے خاص طور پر نثری ادب کا اہم ترین حصہ ہیں ۔ فارسی زبان و ادب کے طالب علم کو ان کتابوں میں انداز بیان کے لحاظ سے ایک خاص نوعیت کا جذبہ ، بے تکلفی اور آب و تاب نظر آتی ہے صوفی مشائخ کی زندگی عوام کی ہمہ حق بہبودی کے لیے وقف ہوتی ہے عاجزوں کی فریاد رسی اور بے چاروں کی چارہ گری ان کی نظر میں عبادت کا درجہ رکھتی ہیں ۔ عوام کی ہدایت و راہنمائی ان کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے ۔ ایسی صورت میں صوفیائے کرام عام لوگوں سے بلا واسطہ ربط و ضبط پیدا کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مجالس اور تصانیف میں عموماً سادہ اور رواں زبان میں گفتگو کی جاتی ہے ۔ اپنے خیالات کو حکایات و امثال و شواهد کی چاشنی کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ سننے اور پڑھنے والے کے ذہن پر ان کی گفتگو کا نقش باقی رہے ۔ صوفیا حضرات کی نثر میں سادگی اور تازگی کے علاوہ وجد و شوق کی ایسی کیفیت بھی ملتی ہے جو اسے ایک خاص قسم کی ادبی کشش عطا کرتی ہے ۔

ایران میں تصوف کے موضوع پر کتابوں کی تالیف چوتھی صدی ھجری کے اواخر یا پانچویں صدی ھجری یعنی گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل سے شروع ہوئی اس قسم کی قدیم ترین کتابوں میں ایک « نور العلوم » ہے ۔ اسے ابوالحسن خارقانی سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ حضرت مخدوم علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش کی « کشف المحجوب » ہندستان میں لکھی جانے والی تصوف پر سب سے قدیم کتاب ہے ۔ حضرت مخدوم اپنی اس کتاب میں ابو الحسن خارقانی کے بارے میں لکھتے ہیں :

> « وحید عصر اور اپنے زمانے کے بزرگ ابو الحسن علی بن احمد خارقانی رضی اللہ تعالی عنہ صوفیوں کے قدیم اجلّہ مشائخ میں سے تھے ۔ شیخ ابو سعید ابو الخیر نے آپ کی زیارت کا قصد کیا اور ہر فن میں ان کی آپس میں عمدہ گفتگو ہوا کرتی تھی ۔ »

خود کشف المحجوب مشائخ ہند میں مقبول ہوئی اس کے مصنف شیخ علی ہجویری ایک جید عالم تھے ۔ ان کی کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے متعدد مشائخ و علما سے ملے تھے اور ان سے اکتساب فیض کیا تھا ۔ وہ صوفی طریقۂ زندگی کے مطابق سفر کے شائق تھے ۔ شام سے ترکستان اور سندھ سے کیسپین تک انہوں نے سفر کیا تھا متعدد مشائخ کی زندگی افکار و تصانیف کے بارے میں کشف المحجوب میں اہم اشارے ملتے ہیں ۔ چشتی مشائخ نے اس کتاب کو اپنے مطالعے میں رکھا اور اس سے نقل و اقتباس کیا ہے ۔

تصوف پر دوسری اہم ایرانی تصنیف ابو ابراہیم مستملی بخاری (متوفی : ۴۳۴ — ۱۰۴۲) کی « نور المریدین معروف بہ شرح تعرف » ہے ۔ یہ کتاب ابو بکر کلاباذی کی التعرف المذہب التصوف کی شرح ہے ۔ اس کتاب کے متداول متن میں بہت سے تصرفات رو نما ہوئے ہیں اس وجہ سے یہ کتاب ایک حد تک اپنی اصل سے دور ہو گئی ہے ۔

اس امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ صوفیائے کرام کی متعدد کتابوں کا یہی حال ہے ۔ خانقاہوں میں یا کاتبوں کے ذریعے ان میں اکثر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں تاکہ سالکان طریقت کے لئے قدیم عبارات اور طرز نگارش کو قابل فہم بنایا جاسکے اور کلام کی قدامت بار خاطر نہ ہو ۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی چشتی سلسلے کے ایک اہم رکن ہیں ۔ سیر الاولیا کے مرتب امیر خورد کے مشام جان کو ان کی مجلس کی اس خوشبو نے معطر کردیا تھا جو خوشبو سلطان المشائخ کی مجلس میں انہیں آتی تھی ۔[1]

چراغ دہلی کی مجالس میں اس کتاب سے اخذ و استناد کیا گیا ہے ۔ شرح تعرف کے بعض مندرجات پر آپ نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور حاضرین

---

۱ - بوئی کہ از مجلس سلطان المشائخ می آمد ، آں بوی از مجلس شیخ نصیر الدین محمود بمشام جان کاتب حروف رسیدہ است ، سیر الاولیا ص ۲۴۱

کے استفسار پر چراغ دہلی نے ابو ابراہیم مستملی کی اس تصنیف کے بعض بیانات کی تشریح و توضیح کی ہے۔[۱]

چھٹی اور ساتویں صدی میں عرفانی کتابوں کی تالیف کا رواج ایران میں زیادہ ہوگیا اسی دور میں عظیم عارفوں اور مشائخ کی ایسی معروف کتابیں وجود میں آئیں جو ایک طرف فارسی ادب کے لئے زبردست سہارا سمجھی جاتی ہیں اور دوسری طرف خود تاریخ تصوف میں بھی بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ اسی دور کی ایک قدیم کتاب امام ابو القاسم قشیری کے ایک رسالے کا فارسی ترجمہ ہے۔ یہ «ترجمۂ رسالۂ قشیریہ» کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب اصل میں ۴۳۷ — ۱۰۴۵ کے دوران عربی زبان میں لکھی گئی تھی اور ۵۵۰ ھجری کے بعد ابو الفتوح نیشاپوری نے اس میں اصلاح کی۔

امام ابو القاسم قشیری محتاج تعارف نہیں۔ ہندستانی مشائخ نے ان کے رسالے سے استفادہ کیا ہے اور اس رسالے کا ذکر ہمارے مشائخ کی اکثر و بیشتر کتابوں میں ملتا ہے

مخدوم علی ہجویری نے ابو القاسم قشیری سے ملاقات کی تھی۔ انکی مجالس میں شریک ہوئے تھے۔ کشف المحجوب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> استاد اور امام اور اسلام کی زینت ابو القاسم عبد الکریم ابن ھوازن قشیری رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ اپنے زمانے میں نادر الوجود اور رفیع القدر تھے ہر فن میں آپ کی تصانیف عمدہ محققانہ طرز پر لکھی گئی ہیں۔ خدا نے آپ کے حال و زبان کو لغو باتوں سے محفوظ رکھا تھا میں نے ان سے سنا کہ۔ مثل الصوفی کعلّةِ البرسام اولہُ ھذیانٌ و آخرہ سُکُوتٌ فاذا تمکّن خرس[۲]

یعنی صوفی کی مثال برسام کے بیمار کیطرح ہوتی ہے اس کے شروع میں ھذیانی کیفیت رہتی ہے، اس کے بعد آخر میں سکوت ہوتا ہے اور سکوت کے عالم میں

---

۱ - خیر المجالس ص ۲۰۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹

۲ - کشف المحجوب، اردو ترجمہ، مطبوعہ دیوبند ص ۲۱۰

وہ کچھ نہیں بولتا

چشتی بزرگوں نے بھی رسالۂ قشیری کو اپنے درس میں شامل کیا تھا ۔ حضرت سید محمد گیسو دراز نے اس پر حواشی لکھے ہیں ۔ آپ نے امام قشیری اور ان کے رسالے کے بارے میں اپنے مکتوبات میں یہ اظہار رائے کیا ہے کہ ۔

> غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ استاد ابو القاسم نے کیسے کیسے راز فاش کئے ہیں ۔ کس طرح حقیقت کی دلہن کی نقاب کشائی کی ہے اور طالبان صادق و عاشقان سوختہ کی کسطرح راہنمائی کی ہے ۔[1]

ظاہر ہے حضرت سید محمد گیسو دراز خود بھی انہیں طالبان صادق اور عاشقان سوختہ میں شامل ہیں

شیخ ابو سعید فضل اللہ بن ابی الخیر چوتھی صدی کے ایک معروف صوفی ہیں ۔ انہیں فارسی شاعروں میں اولین صوفی شاعر سمجھنا چاہئے ۔ ابن الخیر نے تصوف کے موضوع پر اپنے اور دوسروں کے بہت سے اقوال ، اسرار کی باتیں ، بہت سے قطعے اور رباعیاں لکھی ہیں ۔ ان سب کو ان کے پوتے محمد نور نے اپنی کتاب «اسرار التوحید » میں جمع کردیا ہے ۔ یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کے نصف دوم اور غالباً ۵۶۰ میں مرتب کی گئی ہے ۔

شیخ حمید الدین ناگوری خلیفۂ خواجہ معین الدین چشتی نے اپنے ملفوظات « سرور الصدور » میں ابن الخیر کا بارہا ذکر کیا ہے اور شیخ ابو سعید ابن الخیر کے عقائد و خیالات کے حوالے دیئے ہیں ۔

شیخ ابو سعید ابن الخیر کا ذکر ہمارے مشائخ کی تصانیف و مجالس میں اکثر کیا جاتا رہا ہے ۔ ابن الخیر اور بو علی سینا کے باہمی تعلقات بھی ہندستانی مشائخ کی مجالس میں موضوع بحث رہے ہیں ۔ حضرت نظام الدین اولیا کی مجلس میں ایک بار شیخ ابو سعید ابن الخیر اور بو علی سینا کے درمیان جو روابط تھے اور ابن الخیر ان کے بارے میں جو عقیدہ رکھتے تھے ، اس کا ذکر ایک نہایت

---

۱ ۔ مکتوبات گیسو دراز ص ۱۱

دلچسپ واقعے کے ضمن میں کیا گیا ہے ۔ خواجہ نظام الدین اولیا نے فرمایا:

« شیخ ابو سعید ابو الخیر و بو علی سینا باہم دیگر ملاقات کردند و از یک دیگر جدا شدند بو علی صوفی (ای) را کہ ملازم شیخ بود بدراہ کرد کہ چون از خدمت شیخ بر گردم آنچہ شیخ درحق من بگوید ، بر من بگوی چون بو علی باز گشت ، شیخ ابو سعید هیچ ذکر او بر زبان نراند ، نہ بہ نیکی و نہ بہ بدی . آن صوفی یک روز از شیخ پرسید کہ بو علی سینا چگونہ مردی است ؟ شیخ فرمود : حکیم است و طبیب است و علم بسیار دارد ، اما مکارم اخلاق ندارد . صوفی صورت حال بر بو علی بنشت . بو علی بخدمت شیخ چیزی در قلم آورد و این معنی بنشت کہ من چندین کتاب در مکارم اخلاق بنشتہ ام و شیخ در باب من می گوید کہ او مکارم اخلاق ندارد . شیخ تبسم کرد و فرمود : من نگفتہ ام کہ بو علی مکارم اخلاق نمی داند واما گفتہ ام کہ مکارم اخلاق ندارد »[1]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے مکارم اخلاق کا علم اور اس کا حامل ہونا ، ان دونوں صورتوں میں امتیاز کی وضاحت کی ہے . حضرت خواجہ نے اپنے سلسلے کے لیے مکارم اخلاق کے عملی پہلو کو زندگی کا بنیادی اصول قرار دیا ہے ۔

چراغ دہلی نے بھی اسرار التوحید سے مفصل استفادہ کیا ہے ، لیکن اس کا کہیں ذکر نہیں کیا خیر المجالس میں ابو سعید ابی الخیر ، خواجہ ابو عثمان حیری ابو الفضل فراطی ، ابو القاسم وغیرہ مشائخ کے بارے میں معلومات اسی کتاب سے اخذ کی گئی ہیں .[2]

پانچویں صدی مشرقی ایران میں تاریخ تصوف کا اہم ترین دور ہے . اس زمانے میں ایک عظیم صوفی ایران میں متولد ہوئے . ان کا نام خواجہ عبد اللہ انصاری ہے . یہ شیخ ابو سعید ابی الخیر اور چند دوسرے صوفی بزرگوں کی تعلیمات سے

---

۱ ۔ سیر الاولیا ، ص ۵۷۰ ۲ ۔ مقدمۂ خیر المجالس ، مرتبہ خلیق احمد نظامی ، ص ۹

بہرہ مند تھے خواجہ عبد اللہ انصاری نے موزوں اور مسجع نثر میں عرفانی ذوق و چاشنی کے ساتھ چند رسالے تصنیف کیے ۔ ان کی تصانیف کا نام مناجات نامہ نصایح ، زاد العارفین ، طبقات صوفیہ ، کنز السالکین ، قلندر نامہ ، محبت نامہ ، ہفت مصادر ، رسالۂ دل و جان ، رسالۂ واردات اور الہی نامہ ہیں ۔ سالکان راہ حقیقت نے خواجۂ انصاری کے ان رسالوں سے ہمیشہ تازیانۂ شوق کے طور پر استفادہ کیا ہے ۔ آپ کی تصانیف ہندستان میں بھی بہت مقبول ہوئیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے خلیفہ شیخ حمید الدین ناگوری کے ملفوظات « سرور الصدور » میں متعدد مقامات پر ان کی تصانیف کا ذکر ملتا ہے اور بڑی عقیدت و احترام سے ان کے حوالے دیے گئے ہیں ۔

چراغ دھلی کے ملفوظات میں بھی عبد اللہ انصاری کا متعدد بار ذکر ملتا ہے ۔ ان کے بارے میں یا ان کے حوالے سے بعض واقعات خیر المجالس میں بیان کیے گئے ہیں ۔[1] ایک بار چراغ دھلی نے ان کے بارے میں کہا : « شیخ عبد اللہ انصاری را قاعدہ بود ، ہر طایفہ کہ بر ایشاں بیامدی ، بہ آں طایفہ چناں بودی کہ ایشاں می داستند کہ شیخ در مذہب ماست و در دین ماست »[2]
یہی رویہ ہندستان میں چشتی مشائخ نے اپنایا تھا ۔ اسی صلح کل کے تصور نے بلا تفریق مذہب و ملت لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ان مشائخ کا گرویدہ بنا دیا تھا ۔

چھٹی صدی کے اوائل میں جلیل القدر عارف ، حجۃ الاسلام محمد غزالی کے بھائی امام احمد غزالی طوسی نے چند اہم کتابیں تالیف کیں ۔ امام غزالی کے یہی وہ بھائی ہیں جنھوں نے ایک مرتبہ آپ کے سامنے دو شعر پڑھے اور ان کی زندگی کا رخ بدل دیا ۔ امام غزالی ، جیسا کہ معلوم ہے ، ابتدائی زمانے میں درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے ۔ ان کے درس میں تین سو مدرس اور سو امرا و رؤسا حاضر ہوتے یہ وعظ بھی کہتے تھے ایک دن وعظ کہ رہے تھے کہ ان کے بھائی احمد غزالی جو صوفی منش انسان تھے ، ادھر آ نکلے اور عربی کے

---

۱ ـ خیر المجالس ، ص ۵۳ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ۲ ـ خیر المجالس ، ص ۱۱۲

دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ پیش خدمت ہے :

« تم دوسروں کو ہدایت دیتے ہو ، لیکن خود ہدایت حاصل نہیں کرتے ۔ وعظ سناتے ہو ، لیکن خود نہیں سنتے ۔ اے سنگ فساں کب تک لوہے کو تیز کرتا رہے گا ، لیکن خود کو نہیں کاٹے گا »

ان اشعار نے امام غزالی کے دل پر ایک کاری ضرب لگائی اور وہ مجاہدے اور ریاضت کی طرف راغب ہوگئے ۔ جس ہدایت کی طرف ان کے بھائی نے انہیں متوجہ کیا تھا ، اس میں صمیمیت قلب سے اتنے منہمک ہوئے کہ نسل انسانی کے لیے ایسی کتابیں تصنیف کیں جو آج بھی مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

امام غزالی کی جملہ کتابیں ہمارے مشائخ کرام کے مطالعے میں رہی ہیں ۔ کیمیائے سعادت کو حقیقت میں مشائخ نے سعادت و راہنمائی کے لیے کیمیا ہی سمجھا ہے ۔ یہ کتاب غزالی کی احیاء العلوم کے بہترین مطالب کا فارسی میں خلاصہ ہے ۔

شیخ حمید الدین ناگوری خلیفۂ خواجہ معین الدین چشتی کا ابھی ذکر کیا گیا تھا ۔ یہ ناگور میں مقیم رہے ۔ ایک بیگھ زمین کی کاشت سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے دنیاوی جاہ و حشم کا ذکر کبھی انکی مجلس میں نہیں سنا گیا ۔ یہ ایک جید عالم تھے ۔ علـــوم دینی پر ان کی نگاہ کا اندازہ صرف وہی لگا سکتے ہیں جنھوں نے سرور الصدور کا غور سے مطالعــــہ کیا ہے ۔ جس کتاب کے متعلق جو رائے ظاہر کردی ہے وہ اپنی جگہ حرف آخر ہے [۱] شیخ حمید الدین ناگوری اپنے مریدوں کو کیمیائے سعادت کے مطالعے کی خاص طور پر ان الفاظ میں ہدایت فرماتے تھے :

بابا ! پیوستہ ایں (کیمیای سعادت) را در نظر باید داشت ۔

ایک بار کیمیای سعادت کا خود مطالعہ کر رہے تھے ۔ پتا نہیں غزالی نے انھیں اپنی اس کتاب کے ذریعے عرفان و تصوف کے کون سے مقام سے روشناس کرایا یا ان کے کس عقیدے و تصور کی تائید و توثیق امام غزالی نے کی کہ وہ محویت کے عالم میں بے ساختہ پکار اٹھے :

---

۱ ۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۸

شاد باش ای شیخ محمد غزالی ، شاد باش ای شیخ محمد غزالی

شیخ حمید الدین ناگوری پر کیمیائے سعادت کے مطالعے نے جو وجد و محویت کا عالم طاری کردیا تھا ، مولانا شبلی کے یہ الفاظ ، جو انھوں نے احیاء العلوم کی علمی و عرفانی ارزش سے متعلق تحریر فرمائے ہیں ، اس کی بہترین وضاحت اور وجہ بیان کرتے ہیں علامہ فرماتے ہیں ۔

« احیاء العلوم میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے ۔ ہر فقرہ نشتر کی طرح چبھ جاتا ہے ۔ ہر بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے ۔ ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب حسنؔ زمانے میں لکھی گئی ، خود امام صاحب تاثیر کے نشے میں سرشار تھے بغداد میں ان کو تحقیق کا شوق ہوا ۔ تمام مذاہب کو چھانا ۔ کسی سے تسلی نہیں ہوئی ۔ آخر تصوف کی طرف رخ کیا ، لیکن وہ قال کی چیز نہ تھی بلکہ سرتاپا حال کا کام تھا آخر سب چھوڑ چھاڑ ایک کملی پہن ، بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی ۔ سخت مشاہدات اور ریاضات کے بعد بزم راز تک رسائی پائی ۔ یہاں پہونچ کر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہوکر تمام عالم سے بے خبر بن جاتے ، لیکن ع

یاد آر حریفان بادہ پیما را

کے لحاظ سے افادۂ عام پر نظر پڑی ، دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے ۔ امیر وغریب عام و خواص ، عالم و جاہل ، زاہد و راہب ، سب کے اخلاق تباہ ہوچکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں ۔ علماء جو دلیل راہ بن سکتے تھے ، طلب جاہ میں مصروف ہیں ۔ یہ دیکھ کر ضبط نہ کرسکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی ۔ »[1]

امام غزالی کا یہی خلوص تھا ، یہی عزم اصلاح نفس انسانی تھا اور یہی تحقیق و جستجو تھی جس کی وجہ سے احیاء العلوم خلوص و جذبۂ خدمت انسانی کے پیکر مشائخ کرام کی مجالس و تصانیف میں اس سے راہنمائی کا کام لیا گیا ۔

حضرت نظام الدین اولیا نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حجۃ الاسلام امام محمد

---

۱ ۔ الغزالی ، ص ۶۲ ــــ ۶۳

غزالی نے جو کچھ بیان کیا ہے ، بڑی تحقیق سے بیان کیا ہے ۔ آپ نے احیاء العلوم سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ :

الصوم نصف الصبر و الصبر نصف الایمان (روزہ نصف صبر اور صبر نصف ایمان ہے ۔)

امام غزالی کے اس فقرے کی صداقت پر حضرت خواجہ نے تقریر فرمائی ۔ احیاء العلوم کا فوائد الفواد میں تین بار ذکر آیا ہے ۔ حضرت خواجہ نے ہر بار اسے سراہا ہے اور اس سے نقل و اقتباس کیا ہے ۔

خواجہ نظام الدین اولیا کے خلیفہ مولانا حسام الدین محمد بن تغلق کے دور حکومت میں گجرات چلے گئے تھے ۔ اسی جگہ ان کا انتقال ہوا ۔ ان کے عالی مقام کا اندازہ اس جملے سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت خواجہ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ شہر دہلی در حمایت اوست [1] (دہلی کو ان کی حمایت میں چھوڑتا ہوں) حضرت خواجہ نظام الدین نے احیاء العلوم کو جو اہمیت دی اس کی پیروی کرتے ہوئے مولانا حسام الدین نے بھی اسے اپنے مطالعے میں رکھا ۔ کہتے ہیں انہیں قوت القلوب اور احیاء العلوم تحت اللسان تھیں ۔[2]

چراغ دہلی کی خیر المجالس میں امام غزالی کی احیاء العلوم کا ذکر ملتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ آپ نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے ۔

امام غزالی کی تصانیف کو صرف علماء و مشائخ کرام نے ہی اہمیت نہیں دی بلکہ حکمران طبقہ بھی ان کی ضرورت و اورش کا قائل تھا ۔ اورنگ زیب ، میر سید محمد قنوجی سے ہفتے میں تین بار حجۃ الاسلام امام غزالی کی تصانیف اور خاص طور پر احیاء العلوم کا درس لیا کرتا تھا ۔[3]

حضرت سید محمد گیسو دراز نے امام غزالی کے بھائی امام احمد غزالی کی کتاب « سوانح » کی شرح لکھی ہے اس کتاب کے بارے میں حضرت

---

۱ ۔ سیر الاولیا ، ص ۲۵۷　　۲ ۔ سیر الاولیا ، ص ۲۶۲

۳ ۔ ماثر الامرا ج ۳ ، ص ۶۰۴

گیسو دراز فرمایا کرتے تھے کہ :

« یہ ایک دوشیزہ دختر ہے جس کو ہنوز معنی آفرینی اہل سخن کے اندیشے کا ہاتھ نہیں لگا ہے اور الفاظ کی نقاب اس کے مقاصد کے چہرے پر بدستور پڑی ہوئی ہے ۔ »[1]

حجۃ الاسلام کے بھائی امام احمد غزالی کے دوست ، شاگرد اور مرید عین القضاۃ ابوالمعالی عبد اللہ بن محمد بن علی میانجی ہمدانی ایک گرم نفس صوفی ، عالم اور مفکر تھے ۔ انھوں نے اپنے دلائل و مباحث سے فلسفے اور عرفان کے درمیان فاصلے کو کم کرنے کی کامیاب کوشش کی ، لیکن اسی جستجو میں وہ عالم جوانی ہی میں تعصب کا شکار ہوگئے اور قتل کردیے گئے (۵۲۵ ھ) انکی کتابوں میں یزدان شناخت ، رسالۂ جمالی ، تمہیدات یا زبدۃ الحقائق اور متعدد رسالوں کے مجموعوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ ان کے مکتوبات شیخ حمید الدین ناگوری اور خواجہ نظام الدین دونوں کو بہت پسند تھے ۔ غالباً اسی وجہ سے امیر حسن سجزی اس کا مطالعہ کرتے ہوں گے ۔ ایک مرتبہ حسن سجزی نے ان مکتوبات کے سمجھ میں نہ آنے کی شکایت حضرت خواجہ کی خدمت میں کی ۔ محبوب الٰہی نے امیر حسن سجزی کو جو جواب دیا اس سے عین القضاۃ ہمدانی کے بلند عرفانی مقام کا اندازہ ہوتا ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔

آری کہ آن را سر حال نشناسد ، از سر وقت کسے او را بود ، نشناسد

یہ جملہ وہی شخص ادا کرسکتا ہے جو اس حال و مقام سے گذرا ہو جس سے عین القضاۃ گذرے تھے ۔ عرفانی مراحل سے گذر کر ، ان مقامات کے تجربات و مشاہدات کی تصدیق حضرت خواجہ نظام الدین اولیا جیسا عالی مرتبت شیخ ہی کرسکتا تھا اور ان کی تفہیم بھی ۔

چراغ دہلی ایک بار وجد و حال کی کیفیت میں تھے اسی عالم میں آپ نے دو مرتبہ بمشکل اپنے سر کو جنبش دی ۔ کچھ وقت کے بعد آنکھیں کھولیں اور عین القضاۃ ہمدانی کی یہ رباعی پڑھی :

---

۱ ۔ اذکار ابرار ص ۱۳۹

برخاسته ز جان و تن می باید سر آمده ز خویشتن می باید
در ہر قدمی ہزار بند افزون است زیں گرم روی، بند شکن می باید[1]

چراغ دہلی وحدت کے عالم میں ایسے مقام پر پہنچ گئے ہوں گے جہاں کسی قسم کے دنیوی بندھن کا احساس باقی نہیں رہتا عاشق ہوتا ہے اور اس کا معشوق اور بس۔ وہاں نہ جان و تن کا گذر ہے اور نہ دوسرے علائق کا احساس، ایسے ہی مقام معرفت سے جب چراغ دہلی آہستہ آہستہ واپس ہوئے ہیں تو عین القضاۃ کی یہ رباعی انہیں یاد آئی جو خود عین القضاۃ کے مشاہدات عرفانی کا ماحصل تھی۔

سید محمد گیسو دراز نے تمہیدات عین القضاۃ کی شرح بڑے عالمانہ انداز میں لکھی ہے اپنی مجالس میں وہ اس کتاب سے متعدد واقعات بیان کرتے اور اپنے عالم دوستوں سے اس کے مندرجات پر گفتگو کرتے تھے۔[2]

عین القضاۃ کی کسی کتاب میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

قول علیہ الصلوٰۃ و السلام: رأیت ربی علی صورۃ أمردَ جعد قططٌ
یعنی میں نے اپنے رب کو ایک جوان کی صورت میں دیکھا جس کی زلفیں گھونگھر والی تھیں۔

مرتب خیر المجالس نے یہ حدیث آپ کی خدمت میں پڑھی۔ یہ حدیث سن کر چراغ دہلی نے کہا یہ حدیث معروف کتابوں میں موجود نہیں۔ اگر اس حدیث کی صحت کے بارے میں معلوم نہیں ہوجائے تو میں اسے مشتبہ ہی سمجھوں گا۔[3]
اس مسئلہ کا حل کرنا محدث حضرات کا کام ہے کہ اس حدیث کے بارے میں چراغ دہلی کا عقیدہ کیا معنی رکھتا ہے اور کہاں تک صحیح ہے، البتہ جس اعتماد سے چراغ دہلی اس حدیث کی صداقت سے انکار کر رہے ہیں وہ انکے دینی اور عرفانی مدارج سے گذر کر حاصل ہونے والی دور اندیشی اور تبحر کا غماز ہے۔

سہروردی سلسلۂ تصوف کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردی ساتویں صدی

---

۱ - خیر المجالس ص ۹۷ ۲ - جوامع الکلم ج ۱، اردو ترجمہ، ص ۳۳۷
۳ - خیر المجالس ص ۱۹۴

ہجری میں گذرے ہیں ۔ ان کا شمار عظیم مرتبت صوفیوں میں ہوتا ہے ۔ ان کا پورا نام ابو حفص محمد بن محمد تھا ۔ سعدی شیرازی نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تھا اور اپنی بوستاں میں ان کا ذکر سعدی نے کیا ہے سہروردی سلسلے کے بانی نے عوارف المعارف کے علاوہ اعلام الہدی اور رشف النصایح الایمانیۃ تصنیف کی ہیں ۔ آپ کی کتاب عوارف المعارف ہندستانی مشائخ کے درس میں شامل رہی ہے ۔

حضرت خواجہ بختیار کاکی اوشی کے خلیفہ شیخ فرید الدین گنج شکر اس کا درس دیا کرتے تھے ۔ خواجہ نظام الدین اولیا سے منقول ہے کہ انھوں نے عوارف المعارف کے پانچ باب اجودھن کے اپنے ایک سفر کے دوران اپنے پیر و مرشد بابا فرید سے پڑھے تھے ایک دوسرے موقع پر حضرت نظام الدین اولیا نے فرمایا کہ بابا فرید کو حضرت شہاب الدین سہروردی سے بہت اعتقاد تھا وہ جس وقت عوارف المعارف کا درس دیتے تو اس طرح بیان فرماتے کہ سننے والے کے ہوش جاتے رہتے ۔ ان کے بیان کی لذت سے مجھ پر وہ کیفیت طاری ہوتی کہ اگر اس حالت میں کوئی مرجائے تو اسے دولت (وصال) حاصل ہو جائے ۔ جس دن عوارف مجھے درس دینے کے لیے لائی گئی، اس روز بابا فرید کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ۔ اس کا نام شہاب الدین رکھا گیا ۔[۱]

عوارف المعارف ہی کے بارے میں ایک بار گفتگو ہو رہی تھی کہ خواجہ نظام الدین نے ایک دلچسپ واقعہ بیان فرمایا : ایک بار مجھ سے اپنے شیخ بابا فرید کے حضور بلا ارادہ ایک گستاخی سرزد ہوگئی ، ہوا یوں کہ عوارف المعارف کا ایک نسخہ حضرت شیخ کے پاس تھا وہ اس میں سے فوائد بیان فرمارہے تھے ۔ یہ نسخہ باریک خط میں لکھا ہوا تھا یا پھر اس میں کوئی سقم تھا جس کی وجہ سے آپ کسی قدر رک رک کر فوائد بیان فرما رہے تھے ۔ میں نے ایک زمانے میں بابا فرید کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس عوارف المعارف کا ایک نسخہ دیکھا تھا ۔ مجھے اس وقت وہ نسخہ یاد آگیا ۔ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس اس کا ایک صحیح نسخہ تھا ۔

---

۱ - فوائد الفواد ، اردو ترجمہ ، ص ۱۷۴ ، سیر العارفین ، ص ۶۹

آپ کے دل پر یہ بات گراں گذری۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ درویش اس ناقص و سقیم نسخے کی تصحیح کی قوت نہیں رکھتا۔ آپ نے دوبار زبان مبارک سے یہ الفاظ دہرائے مجھے بالکل یہ خیال نہ آیا کہ آپ کس بارے میں فرمارہے ہیں۔ بہر حال یہ ناراضگی بابا فرید کے صاحبزادے شیخ شہاب الدین کی ، جن کا ذکر ابھی کیا گیا ، مداخلت سے ختم ہوگئی۔[1]

غالباً عوارف کا یہی نسخہ بابا فرید نے اپنے نہایت چہیتے خلیفہ شیخ جمال الدین ہانسوی کو دوسری نعمتوں کے ساتھ عطا فرما دیا تھا۔ اپنے اس مرید و خلیفہ کے بارے میں حضرت فرید الدین گنج شکر فرماتے تھے کہ جمال حقیقت میں ہمارا جمال ہے۔ شیخ جمال الدین نے یہ نسخہ حضرت نظام الدین کو دیدیا تھا اور کہا تھا کہ ان کی اولاد میں سے جو کوئی حضرت نظام الدین سے وابستہ ہو ، یہ نسخہ اسے دیدیا جائے خواجہ نظام الدین اولیا نے اسی فرمائش کے مطابق یہ نسخہ شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے شیخ قطب الدین منور کو دیدیا جو حضرت نظام الدین کے خلیفہ بھی تھے۔[2]

مجد الدین بغدادی خوارزمی نے اصول عرفان ، آداب تصوف ، مراتب سیر و سلوک اور سالک کے حالات و مقامات پر چند مکاتیب ترتیب دیے ہیں۔ خیر المجالس میں ان کی ایک کتاب تحفۃ البررہ کا ذکر ملتا ہے۔ چراغ دھلی نے اسی کتاب کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ مرید کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اسے سوائے پیر و مرشد کے دوسرا کوئی شخص خدا تک نہیں پہنچا سکتا ، خواہ دوسرے پیر بھی موجود ہوں ، لیکن وہ صرف اپنے مرشد کے وسیلے سے خدا تک پہنچے گا۔

مولانا مجد الدین کے استاد نجم الدین کبری نے اپنی مجملہ اہم کتابوں کے علاوہ چند رسالے فارسی زبان میں لکھے ہیں۔ یہ رسالے اصول تصوف کے بارے میں ہیں۔ مثلاً آداب المریدین ، (یا الآداب) سکینۃ الصالحین وغیرہ۔ نجم الدین کبری کا نظام اصلاح و تربیت غیر معمولی طور پر موثر تھا۔ اسی وجہ سے انہیں شیخ ولی تراش کہا جاتا ہے۔ مغلوں کے ساتھ جنگ میں آپ کی شہادت ہوئی (۶۱۸ ھ)

---

۱ - فوائد الفواد ص ۸۷　　۲ - سیر الاولیا ص ۲۵۹

اُن کی تصنیف آداب المریدین چشتی مشائخ کے درس و تدریس کا جزو تھی۔ حضرت چراغ دہلی نے اپنی مجالس میں اس کتاب سے کئی مرتبہ نقل و اقتباس کیا ہے۔ سید محمد گیسودراز نے آداب المریدین پر حاشیہ لکھا ہے۔ آپ اپنی مجالس میں ان کا ذکر بڑے احترام سے کیا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ مجد الدین بغدادی شیخ نجم الدین کبری کے مرید تھے، مگر لوگوں کی توجہ اور قبول اور لوگوں کا ہجوم شیخ مجد الدین بغدادی کے ہاں شیخ نجم الدین کبری سے کہیں زیادہ تھا یہ بات شیخ مجد الدین سے بیان کی گئی انہوں نے کہا، اس میں کیا حرج ہے۔ بطخ کے انڈے مرغی کے نیچے بٹھائیں تو بطخ ہی نکلتی ہے۔ وہ بطخ تھی، بطخ ہی رہی۔ پانی سامنے آیا، دوڑتی ہوئی پانی میں چلی گئی اور آشنائی پیدا کرلی۔ مرغیاں اس کے برعکس پانی کے کنارے ہی کھڑی رہیں یہ بات شیخ نجم الدین کبری تک پہنچی تو شیخ نے کہا: مسجد اس کے سر پر گرادو غرض ایک طویل قصہ ہے مگر مختصر یہ کہ ان کے تمام مریدوں نے ان کو مار ڈالا اور ان کا سر تن سے جدا کردیا۔

خواجہ محمود نے، جو مولانا برہان الدین غریب کے دوست تھے، شیخ سے پوچھا کہ مولانا مجد الدین تو مرید تھے، انہوں نے ایسی باتیں کیسے کہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ یہ حکایت مسافروں سے سنی ہے نہ جانے کیا صورت حال تھی

جوامع الکلم سے یہ واقعہ خاص طور پر اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ اس کا آخری جملہ نہایت توجہ طلب ہے۔ یعنی "یہ حکایت مسافروں سے سنی ہے نہ جانے کیا صورت حال تھی۔" ہندستانی مشائخ کے ملفوظات و تصانیف میں ایرانی مشائخ شعرا اور دوسرے اہل علم کے بارے میں بے شمار واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ ان واقعات کا تنقیدی جائزہ نہایت ضروری ہے۔ ممکن ہے ان میں سے بعض واقعات و حکایات مسافروں کی زبانی ہندستان پہنچی ہوں اور انجان مسافروں کا کیا اعتبار۔ انہوں نے واقعات نقل کیے ہیں یا زیب داستان و تنقل محفل کے طور پر افسانے گھڑ لیے۔[1]

---

۱ - جامی نے نفحات الانس (ص ۶۷۵) پر یہی واقعہ کچھ (بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

نجم الدین کبری کے ایک دوسرے شاگرد، معروف شاعر اور صوفی ابوالمعالی سیف الدین سعید باخرزی نے بھی عشق کے موضوع پر ایک رسالہ ترتیب دیا ہے یہ وہی صوفی عالی مقام ہیں جن کا ذکر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات میں نظر آتا ہے۔ ان کے بارے میں ایک دن حضرت خواجہ نے فرمایا :

«اکثر مشائخ را قدس الله ارواحهم نظم ہا بسیار است که از خواندن آن طالبان را حالتی و رقتی به حصول می انجامد. چنانچه اشعار شیخ اوحد الدین کرمانی و شیخ ابو سعید ابو الخیر و شیخ سیف الدین باخرزی قدس الله ارواحهم و می گویند که شیخ سیف الدین باخرزی را در شعر گفتن علوی تمام بوده است تا عاشقی که مریدان شیخ بخدمت او بار نمودند که از ہر شیخی و بزرگواری کتابی و تالیفی مانده است. شما چرا چیزی نمی نویسید که در جهان یادگار ماند؟ جواب فرمودند که ہر بیت من یک کتابی است پیش اہل دل»[1]

ایک دوسری مجلس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے شیخ سیف الدین باخرزی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

میں سنائی کا ایک قصیدہ پڑھ کر مسلمان ہوا ہوں۔ اس قصیدے کا ایک شعر یہ ہے جو خود محبوب الہی کو بھی پسند تھا

بر سر طور ہوا طور شہوت می زنی
عشق مرد لن ترانی را بدین خواری مجوی[2]

نویں صدی ہجری میں نور الدین عبد الرحمن جامی نے تصوف کے موضوع پر چند کتابیں لکھی ہیں۔ ہندستان میں صوفیائے کرام نے جامی کی تالیفات کو اپنے

اختلاف کیساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں مولانا مجد الدین کو سلطان محمد خوارزمی کے حکم سے دجلہ میں غرق کردیا گیا تھا۔ دیکھیے اصول تصوف دکتر احسان الله، چاپخانهٔ بوذر جمهری ص ۲۲۳

۱ ـ فوائد الفواد، ص ۳۵ ۲ ـ فوائد الفواد، ص ۲۵۲

مطالعے میں رکھا ہے . اسی طرح ان کے اشعار کی گــونج بھی ہماری خانقاہی محفلوں میں بارہا سنائی دیتی ہے . جامی نے ان مفید مطالب کے عــلاوہ جو نفحات الانس کے شروع میں تصوف کے بارے میں بیان کیے ہیں ، فارسی میں دو معتبر کتابیں تالیف کی ہیں . ان میں سے ایک اشعۃ اللمعات ہے . یہ شیخ فخر الدین ابراہیم بن شہریار کی لمعات کی شرح ہے لمعات خود ایک کار آمد اور اہم کتاب ہے جسے عراقی نے صــدر الدین قونوی کی تعلیمات اور خاص طور پر ان کی مشہور کتاب فصوص الحکم کے زیر اثر لکھی . جامی کے بقول اس میں عرب اور ایران کے لطیف عرفانی نکات کو ایک دوسرے میں سمو دیا گیا ہے اور اس کتاب سے علم و عرفان اور ذوق و وجــدان کا نور آشکار ہے . یہی وہ کتاب ہے جس پر جامی کے عہد میں قوم کے متعصب لوگوں نے اعتراض کیا اور اس کی تکذیب کی . اس لیے جامی کی یہ خواہش ہوئی کہ کتاب کی مشکلات کو رفع کرے اور ان کی وضاحت کے لیے اس کی شرح لکھیں اسی کے نتیجے میں اشعۃ اللمعات وجود میں آئی . جامی کی دوسری کتاب لوایح ہے جو در حقیقت تصوف کے تار و پود کی وضاحت کے لیے قابل توجہ کتاب ہے .

انیسویں صــدی کے پنجاب میں فروغ دین کا عظیم کام حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کی سرپرستی میں انجام دیا گیا یہ چشتی سلسلۂ تصوف کے اہم رکن تھے آپ تصوف کی کتابوں میں لوائح جامی اور شرح لمعات (اشعۃ اللمعات) جامی کو بڑی اہمیت دیتے تھے .[1]

---

۱ - مراۃ العاشقین ، اردو ترجمہ ، لاہور ، ص ٦٧

ڈاکٹر مظفر حنفی
شعبۂ اردو ،
جامعہ ملیہ اسلامیہ ، نئی دہلی ۲۵

شاد عارفی کی طنزیہ نظمیں

« شاد صاحب عمر بھر رام پور میں رہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح زخموں کے کیڑے چن چن کر انہیں اپنا گوشت کھلاتے رہے ۔ ان کا تنفس متعفن ہوگیا ، اگر کوئی انہیں کھینچ کر کھلی ہوا میں لے آتا اگر ان کے زخموں کا علاج کرنے وقت ان کے ناسور بننے سے پہلے ہاتھ باندھ دیئے جاتے اگر وہ دنیا کی دوسری بڑی قدآور زبانوں کے ادب کے ماحول میں دس پانچ برس جی لیتے تو ان کا شاعرانہ مزاج اینٹی سیپٹک کے اثر سے صحت مند ہو جاتا ۔ وہ ایسی کرنی کر گئے — »

(ظ ۔ انصاری)[1]

« شاد عارفی ایک منفرد اور صاحب طرز شاعر تھے ۔ زمانے نے ان کے ساتھ بہت ستم کئے ، وہ مالی پریشانی اور ناقدری ، دونوں کا شکار رہے ۔ پھر رام پور جیسے شہر میں ، جہاں جاگیر دارانہ ماحول اب بھی باقی ہے ، ایک آزاد مرد کے لئے اپنی آن بان کے ساتھ گذار دینا یوں بھی بہت مشکل تھا وہ ایک محب وطن اور روشن خیال آدمی تھے اور بلند سماجی اور اخلاقی آدرش رکھتے تھے اوروں کی طرح انہوں نے بھی آزادی اور مساوات کے خواب دیکھے تھے اور پھر ان خوابوں کو چکنا چور ہوتے دیکھ کر چیخ اٹھے تھے ۔ انہوں نے اپنے گرد و پیش کی ذہنی اور معاشرتی بیماریوں پر بھرپور طنز کی — »

(پروفیسر آل احمد سرور)[2]

---

۱ ـ پیش لفظ ، « عکس ریز » — مظفر حنفی (ص ۱۱)

۲ ـ میرا صفحہ — آل احمد سرور (ہفت روزہ « ہماری زبان » علیگڈھ ۸ اپریل ۱۹۶۸ ع ص ۱۲)

« میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ شاد عارفی کی شاعری اخباری قسم کی شاعری ہے یہ اصطلاح « اخباری شاعری » ممکن ہے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردے ۔ میرا مقصد اس سے نہ تو یہ ہے کہ « اخباری شاعری » شاعری کا پست درجہ رکھتی ہے نہ یہ کہ شاد عارفی کا مرتبہ کم ہے ۔ میں اخباری شاعری کو بڑی چیز خیال کرتا ہوں ۔ میرے سامنے مولانا ظفر علی خاں ہیں ۔ وہ اخباری شاعر تھے اور ان کی شاعری اخباری شاعری ہے ...... کسی قوم یا ملت کی جس قدر براہ راست خدمت اخباری شاعری کرسکتی ہے فلسفیانہ شاعری نہیں کرسکتی ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری صحافت کی تاریخ صرف دو شاعر پیدا کر سکی ۔ ایک خوش نصیب ، جسے اپنا راستہ مل گیا اور اس نے اپنی صلاحیتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کیا — ظفر علی خاں — اور دوسرا بدنصیب ، جسے راستہ ہی نہ ملا اور ٹامک ٹوئیے مارتا مر گیا — شاد عارفی ! »

(شہرت بخاری)[1]

« شاد کی گمنامی جگر کی شہرت سے بڑا ہولناک ادبی حادثہ ہے ۔۔ ان کی شخصیت اور شاعری کا محور رامپور ہے لیکن ان کی بڑائی یہ ہے کہ وہ رامپور کو ہندستان بنالیتے ہیں جیسے میر نے دل کو دلی بنا لیا تھا ۔ ان دونوں شاعروں کا مرکز نگاہ ایک شہر تھا لیکن مزاجوں کے فرق نے ایک کو میر اور دوسرے کو شاد بنا دیا لیکن اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا کہ ایک کے حصے میں دلی آئی اور دوسرے کے حصے میں رام پور — ایک کے پیچھے اکبر و جہانگیر و شاہجہاں کی روایات تھیں اور دوسرے کے سامنے نواب حامد علی خاں اور نواب رضا علی خاں کی بےنوائی — لیکن ان دونوں کے دل کا درد ایک ہی ہے ۔ اگر میر تقی میر کو بھی شاد عارفی کا رامپور ملا ہوتا تو وہ بھی یہی کہتے جو شاد نے کہا مگر میر کو روتے رونے سوجانے کی فرصت مل گئی جب کہ جہاں شاد ہیں وہاں سونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ۔ ۔ ۔ ۔ یہ وہ منزل ہے جہاں اقبال اپنی خودی اور تمام اسرار خودی اور رموز بےخودی کے ساتھ بونے معلوم

---

۱ - شاد عارفی — شہرت بخاری (ہفت روزہ « نصرت » لاہور ، ماہانہ ایڈیشن مارچ ۱۹٦۴ ع)

ہوتے ہیں . . . . یہ اشعار تجربات کے جہنم میں برسوں جلنے کے بعد ہی لکھے جاسکتے ہیں — »

(ڈاکٹر راہی معصوم رضا)[1]

« شاد عارفی کا رویہ بھی یگانہ سے ملتا جلتا ہے لیکن ان کا رد عمل یگانہ سے زیادہ فوری ہوتا ہے اور اسی لئے زیادہ سطحی بھی۔ ان کے پاس زندگی کی تلخیوں کا شدید احساس ہے لیکن اس سے نبرد آزمائی کا وہ جذبہ نہیں ملتا جو یگانہ کی شاعری کو « شخصی رزمیہ » کا درجہ دے دیتا ہے اور جس میں ہارنے کے باوجود شہید ہیرو بن جاتا ہے . شاد عارفی کو ان کا احساس ہزیمت جلی کٹی سنانے اور طنز کے تیر چلا کر خاموش بیٹھ جانے پر اکساتا ہے اور وہ سو باتوں کے جواب میں ایک غزل چپکا کر گویا اپنی شکست کا بدلہ لے لیتے ہیں ، ظاہر ہے کہ یہ رویہ بڑی شاعری کی طرف نہیں لے جاسکتا تاہم شاد کے بے ساختہ طرز اظہار ، غیر رسمی الفاظ کے مناسب استعمال اور طنزیہ انداز نے اپنے مخصوص دائرے میں نئی غزل پر کافی اثرات مرتب کئے — »

(بشر نواز)[2]

« یگانہ کے یہاں جو جھلاہٹ اور چڑچڑاپن ہے وہ شاد عارفی کے ہاں نہیں ہے . ان کا طنزیہ لہجہ سیاست کو بھی اپنا ہدف بناتا ہے چنانچہ سیاسی ہجو نگاری بھی شاد کے ہاں ملتی ہے اس کا اثر جدید غزل پر بھی ہوا ہے — »

(احتشام اختر)[3]

ایک ہی شاعر کے دو ایک مخصوص پہلوؤں پر نقادوں اور فنکاروں کی ایسی متضاد رائیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں کوئی کہتا ہے رام پور کے گھٹے

---

۱ - ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں — راہی معصوم رضا — (« ایک تنہا شاعر » مرتبہ مظفر حنفی ، ص ۱۰۲ - ۹۶ - ۹۵)

۲ - نئی غزل ، منظر اور پس منظر — بشر نواز (« ارتکاز » مرتبہ عبد الرحیم نشتر ص ۱۱۱)

۳ - اردو غزل میں جدید تر رجحانات — احتشام اختر (ہفت روزہ « مورچہ » گیا ۱۲ جون ۱۹۷۱ ع ص ۸)

ہوئے ماحول نے شاد عارفی کے تنفس کو متعفن کردیا۔ کوئی اس گھٹے ہوئے ماحول میں رہنے کے باوجود انفرادیت اور مخصوص طرز برقرار رکھنے کو ان کی عظمت کی دلیل سمجھتا ہے۔ ایک صاحب انہیں اخباری شاعر کہکر ظفر علی خاں سے بھی کمتر قرار دیتے ہیں تو دوسرے کی نگاہ میں وہ میر اور اقبال سے برتر ہیں۔ کسی کے نزدیک وہ یگانہ کی سطح سے نیچے رہ جاتے ہیں تو کوئی انہیں یگانہ سے بڑا شاعر کہتا ہے۔ کچھ نقاد ایسے بھی ہیں جنھوں نے شاد عارفی کے متعلق موقع و محل کے مطابق اور وقتی مصلحتوں کے تحت مختلف حکموں پر متضاد آراء پیش کی ہیں، مثال کے طور پر ڈاکٹر محمد حسن ۱۹۴۹ ع کے آس پاس حکم لگاتے ہیں۔

« شاد عارفی نے نظم کو روزآنہ کے واقعات کو بیان کرنے کا وسیلہ بنایا .. شاد کی نظمیں گویا منظوم نثر ہیں اور غالباً اس غلط فہمی کے پیش نظر وہ اسے روا بھی رکھتے ہیں کہ اچھا شعر وہی کہا جانے گا جس کی نثر نہ ہوسکے۔ کاش انہیں اس کا بھی احساس ہوتا کہ شعر کی تعریف میں اس کے علاوہ بھی اور بہت کچھ شامل ہے۔ جمالیاتی ذوق، جو نظم کا موسس اول ہے، نہایت تشنہ ہے اور جو تجربے خود شاعری کے فیصلوں کو توڑنے کے مدعی ہوں ان کا تذکرہ شعری تجربوں کے ضمن میں اچھا نہیں لگتا — »[1]

لیکن ۱۹۷۱ ع میں وہی ڈاکٹر محمد حسن، شاد عارفی کے متعلق اس کے قطعی برعکس، مندرجہ ذیل فیصلہ سنانے نظر آتے ہیں:

« اس میں شک نہیں کہ ان کا طنز گہرا اور ان کا مزاح ستھرا ہے جس کی تلخی اور ترشی بھی پڑھنے والے کے دل کو چھوتی ہے اور فکر و احساس کے نئے زاویے بناتی گزر جاتی ہے اور یہ سرمایہ یقیناً مزاحیہ اور طنزیہ ادب میں اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ »[2]

---

۱ - نئے اسالیب نظم مشمولہ « ادبی تنقید » — ڈاکٹر محمد حسن (ص ۸۴ - ۸۳)
۲ - قہقہوں کے بین السطور — ڈاکٹر محمد حسن (سہ ماہی « عصری ادب » دہلی شمارہ ۵ جنوری ۱۹۷۱ ع ص ۱۵۱ - ۱۵۰)

بات یہ ہے کہ اول تو کسی فنکار پر اظہار رائے کے سلسلے میں ، اس کے ناقدین سے ذاتی تعلقات و روابط اور رنجش و کبیدگی کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ چند نقاد ذاتیات سے بلند ہوکر بھی تنقید کرتے ہیں لیکن وہ بھی اپنے طور پر کچھ مخصوص نظریات کے حامل ہوتے ہیں اور جو فنکار ان کے پسندیدہ نظریات کی تبلیغ کرتے ہیں انہیں اچھا بلکہ عظیم اور جو اس پیمانے پر پورے نہیں اترتے ، انھیں « ناشاعر » یا کمتر درجے کا شاعر قرار دیا جاتا ہے جب کہ شاد دراصل بدلتے ہوئے موڈس (Moods) کے شاعر ہیں ۔ ان کے ذہن پر کسی مخصوص نظریے کی چھاپ نہیں ہے نہ وہ ناقدین کو خوش کرنے کیلئے اپنی تخلیقات پر نظریاتی مصلحتوں کا ملمع چڑھانے کے عادی ہیں وہ بیدار سماجی شعور رکھتے ہیں لیکن اپنی سوچ کو سیاسی حدبندیوں میں محصور نہیں کرتے ۔ وہ پال ویلری کے اس خیال سے متفق ہیں کہ نظم لکھنے سے پہلے ذہن کو کسی نظریہ یا اصول کے دائرے میں محدود کر لینا نامناسب بات ہے ۔ اس طریقۂ کار کے لئے نثر زیادہ موزوں ہوسکتی ہے ' پلان بناکر سوچنے کا کام شاعر کا نہیں نثر نگار کا ہے

ہمارے ہاں تنقید میں ذاتی تعلقات کس حد تک دخل اندازی کرتے ہیں اس بارے میں ایک مثال ملاحظہ فرمائیے ۔ اپنے معاصر ناقدین کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے شاد عارفی لکھتے ہیں ۔

« عموماً ان کی تنقیدیں ادھر ادھر سے کتر بیونت کا نتیجہ ہوتی ہیں ۔ اپچ اور ندرت ادا کا ان کے ہاں اس لئے فقدان پایا جاتا ہے کہ یہ اپنی تنقیدوں کا خام مواد دوسروں کے مضامین سے اخذ کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اگر غور کیا جائے تو ہر مضمون میں ایک ہی بات گھما پھرا کر پڑھنے والے کے موڈ کا راستہ کاٹتی ہے — ان حالات میں میں نے کیا غلط کہا یا سوچا کہ آپ خود میری غزلوں کے مجموعے سے متعلق کوئی رائے قائم کریں ، دوسروں کے کہنے سننے سے نہیں اس لئے کہ آپ کو کیا معلوم کہ مجھ کو برا کہنے والے مجھ سے کیوں پرخاش رکھتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ایک خاکہ پیش کروں گا تاکہ آپ کو اندازہ ہوجائے

کہ کون ناقد مجھ سے کیوں تعصب یا بغض للّٰہی رکھتا ہے — ڈاکٹر محمد حسن (مراد آبادی) نے مجھے خط لکھا کہ آپ اپنے شائع شدہ مجموعے اور غیر شائع شدہ غزلیں وغیرہ لکھ کر بھیجیں تاکہ میں آپ پر مضمون لکھوں — میں نے کہا کہ مجھے اتنی فرصت کہاں، آپ فلاں پتے پر «سماج» مول منگالیں اور کہ آپ بات کہاں سے کر رہے ہیں — چنانچہ محمد حسن مرادآبادی مجھ سے ناراض ہوگئے اور ایک گھٹیا رسالے میں میرے خلاف بے سر و پا باتیں لکھ دیں یہی نیاز فتحپوری کے ساتھ ہوا — عبادت بریلوی، آغا، قادری زور (ان کو بھی میں نے اپنا کلام نہیں بھیجا تھا) اور سید عبد اللہ وغیرہ میرے مخالف ہیں جن کے پاس وجہ مخالفت اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں نے ان کو اچھا نقاد نہیں تسلیم کیا —»[1]

شاد کے خیال کی تائید ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے۔

« ایک نوجوان نقاد نے جو اچھے خاصے مشہور ہیں اور اس زمانے میں بھی ان کے مضامین سبھی رسالوں میں پابندی سے چھپا کرتے تھے، شاد صاحب کو ایک خط لکھا کہ میں آپ کی شاعری کا بڑا معترف ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے کلام پر ایک تفصیلی مضمون لکھوں تاکہ موجودہ دور کے لوگ آپ کی شاعرانہ اہمیت سے واقف ہوں لہذا آپ سے گذارش ہے کہ آپ کے جو جو مجموعے چھپ چکے ہوں یا جن جن رسائل میں آپ کی خاص خاص نظمیں ہوں، وہ مجھے عاریتاً بھیج دیں — شاد صاحب نے اس خط کا جواب یہ دیا کہ میاں صاحبزادے! تم نے کتابیں اور رسالے حاصل کرنے کی خوب ترکیب نکالی یاد رکھو میں ان شاعروں میں نہیں ہوں جو اپنی تعریف میں مضمون لکھوا کر خوش ہوتے ہیں۔ لکھنے والے کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ میری شاعری کے بارے میں اپنے طور پر جو چاہیں لکھیں یا بری بھلی جو رائے چاہیں قائم کریں لیکن اس بات کا مجھ سے کیا سروکار . . . مجھے اپنے اوپر مضمون وضمون نہیں لکھوانا ہے — انھوں نے اس خط کا ذکر ہم لوگوں سے کیا تو بڑی ہنسی بھی آئی اور افسوس

---

۱ - نثر و غزل دستہ — شاد عارفی (مرتبہ مظفر حنفی، ص ۱۳۸ - ۱۳۷ - ۱۳۲)

نہیں ہوا۔ افسوس اس لئے کہ انہیں نقاد کے دو ایک مضمون اردو شاعری کے نئے رجحانات پر پچھلے دنوں میری نظر سے گزرے تھے جن میں ان کی شاعری کا مذاق اڑایا گیا تھا اور اسے معمولی تکبندی اور پھکڑپن کے درجے پر رکھا گیا تھا۔ اصل میں شاد صاحب کے خط سے وہ چڑ گئے اور انہوں نے اپنی رائے بدل دی، شاد صاحب کو میں نے جب یہ بات بتائی تو خوب ہنسے اور کہا میرا کیا بگڑا۔ یہ شخص کبھی اچھا نقاد نہیں بن سکتا۔ جو اپنی رائے کے سلسلے میں ایسا ڈھلمل یقین ہو اسے نقادی سے کیا واسطہ!»[1]

چنانچہ ہم شاد عارفی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ان کی طنزیہ نظموں کو سامنے رکھ کر اپنے طور پر کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاد کی طنزیہ نظموں کی تعداد سو تک پہنچتی ہے۔ انہوں نے ہماری سماج کے ہر جھول، ہر رخنے، ہر ناہمواری اور ہر خامی پر طنز کے وار کئے ہیں خواہ وہ گھر میں ہو، دربار میں ہو، بازار میں ہو، یا خانقاہ میں۔ ان کی نظم «سماج» میں وہ فرسودہ بندھن طنز کا نشانہ بنے ہیں جو نوجوانوں کو والدین کی پسند کے مطابق شادی کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ «روٹی» امارت و مفلسی کے روشن و تاریک تضاد پر وار ہے «اختلافات» میں آپسی پھوٹ کو ہدف ملامت بنایا گیا ہے «اندھیر نگری» ان سرکاروں کو روشنی میں لاتی ہے جو اندھیروں کی پرورش کرتی ہیں۔ «حیوان ناطق» اشرف المخلوقات کی درندگی کو بے نقاب کرتی ہے «شطرنج» غلامان ہند کے لہو و لعب میں مصروف رہنے پر چوٹ ہے۔ «رسمی قید خانے» متوسط گھرانے کی لڑکیوں کو سخت قید و بند میں رکھے جانے کے خلاف صدائے احتجاج ہے۔ «جبر و قدر» ظالم و مظلوم کے رشتوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ «ہمارے نوجوان» میں عہد حاضر کے نوجوان کی بے عملی مورد طنز ہوتی ہے۔ «دخمت کش» مخالفین اردو کے منھ پر طمانچہ ہے۔ «گاؤں» اور «شکار ماہی» ہمارے ملک کی دیہی پسماندگی کے مرقعے ہیں «ہولی» میں اس رنگین اور مقدس تیوہار میں روا رکھی جانے والی حرمتیوں پر

---

۱ - شاد عارفی کی یاد میں - ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی («ایک تھا شاعر» مرتبہ مظفر حنفی ص ۲۴۵ - ۲۴۴)

طنز کی گئی ہے "مغرب زدگی" ان انگریز طبیعت ہندی نژاد صاحبوں پر سنگ ملامت رسانی ہے جنھیں اپنے ملک سے بیزاری کے اظہار میں لطف آتا ہے "بیٹے کی شادی"، "جہیز"، "رت جگا" وغیرہ معاشرے کی غلط اور مضرت رساں رسموں کے ہولناک نتائج سے پردے اٹھاتی ہیں "گوالن" میں حقیقت نگاری پر زور دے کر ان تخیل پرست فنکاروں پر طنز کی بوچھار کی گئی ہے جو یہ سوچے سمجھے بھینس کو بھی (جنگل کی شہزادی) کا نام دے سکتے ہیں۔ "دیہاتی لاری" رشوت خوری، دھاندلی، بدنظمی اور فرقہ واریت کی تصویر پیش کرتی ہے۔ "نادیب" سنگ کنا کر بچھڑوں میں شامل ہونے والے معمر عاشق غزل خوانوں پر وار ہے "مہترانی"، "ملازمہ" وغیرہ نچلے طبقے پر بالا دستوں کے ظلم و جور کی کہانیاں سناتی ہیں "ساس"، "ساس اور بہو"، "زن مرید شوہر" اور "مگر عورت کا دل کتنا" وغیرہ ہمارے متوسط طبقے کو پیش آنے والی گھریلو الجھنوں اور پریشانیوں کی عکاس ہیں "شریف لڑکی" اور "مشورہ" جیسی نظمیں معاشرے کی اس لعنت کی نوحہ خواں ہیں جس میں غریب کنواری لڑکیوں کو بر نہیں مل پاتے۔ "بیوہ" بذات خود سماج پر ایک طنز ہوتی ہے، جب شاد کی طنزیہ نظم کا موضوع بنے تو ظاہر ہے کتنی تیکھی ہوگی۔ "غدار" اس قوم فروش لیڈر کی خبر لیتی ہے جو قوم کا لہو چوس کر خود جونک کی طرح پھولا رہتا ہے "خوشامد پرست" اور "سگرٹ" کے مضر اثرات بھی شاد سے چھپے نہیں رہ سکے چنانچہ ان پر نظمیں ضروری تھیں۔ مفلسی کے ہاتھوں انسان کتنی مہلک ترین پستیوں میں اتر سکتا ہے اس کا جائزہ "ادبار" میں لے کر عمل کا سبق دیا گیا ہے "شادی کے بعد" گھریلو زندگی کی معاشی الجھنوں سے چلمن سرکاتی ہے "شادی کے پہلے" کثیرالعیالی کی دشواریاں بیان کرتی ہے۔ "مال زادیاں اور دلال"، "شوفر" "مال روڈ" وغیرہ اعلیٰ سوسائیٹی میں جاری و ساری جنسی بے راہ رویوں اور بڑے لوگوں کے کالے کرتوتوں کا بھانڈا پھوڑتی ہیں۔ "فلمی محبت" اور "پروڈیوسر" وغیرہ فلمی خداؤں اور فلم زدہ نوجوانوں کی رونمائی کرتی ہیں "نمائش نمبر ۱"، "نمائش نمبر ۲"، "نمائش نمبر ۳" اور "نمائش نمبر ۴" طنزیہ انداز میں ہماری نمائشوں کے پیچھے چھپی ہوئی کریہہ

بد فعلیوں کو عریاں کرتی ہیں « کشمیری بھکارن » میں طنز کا نشانہ شاعر کی اپنی ذات ہے جو خود اخلاق کا دعویدار اور دوسروں پر انگشت نمائی کا عادی ہے لیکن جس کی راہ میں اس کے قدم بھی بھٹکتے ہیں ۔ « سالی » میں بظاہر مہذب گھرانوں میں رشتوں کے تقدس کو چکنا چور کرنے والی تہذیب کا تلخ مرثیہ سنایا گیا ہے « میرے محلے کے دو گھرانے » اور « میرے پڑوس میں کچی شراب بکتی ہے » اس گھناؤنے ماحول کی منھ بولتی تصویریں ہیں جس میں ہم اور آپ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں ۔ « رنگیلے راجا کی موت » ، « ان اونچے اونچے محلوں میں » ، « پرانا قلعہ » وغیرہ میں ایسے نام نہاد عالی مرتبت راجاؤں اور نوابوں کی کمینگیوں اور بہیمانہ حرکتوں پر سر فروشانہ انداز میں وار کئے گئے ہیں جن کی طرف انگشت نمائی کی جرات اچھے اچھوں کے بس کی بات نہیں « مرید کی بیوی » مذہبی سوانگ رچاکر عوام کے جذبات سے کھیلنے والے ڈھونگیوں کی قلعی کھولتی ہے « دھوبی » « پرانے کوٹ » وغیرہ کپڑوں کی علامتوں کے ساتھ سماج کی گندگی کی طرف واضح اشارے ہیں ۔ « ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے » تا عمر کنواری رہنے کا عزم رکھنے والی مغرب زدہ خواتین کے لئے آئینہ ہے ۔ « ابھی جنگل پور جل رہا ہے » فرقہ وارانہ ذہنیتوں پر انسانیت کی جانب سے نفرین ہے ۔ « آپ کی تعریف » میں سوسائٹی کے بہت سے ٹائپ کرداروں کا خاکہ کھینچا گیا ہے اور یہ نظم بے روزگاری ، جرائم کی کثرت ، مکر و فریب ، گندی صحافت ، علم کی بے حرمتی ، نسائی مردانگی ، ریاکارانہ پاکیزگی اور خود غرضانہ قیادت پر تیر چلاتی ہے « ٹکڑ گدے » اونچی شخصیتوں کو زیر بحث لاکر انہیں اندر سے چھوٹا ثابت کرتی ہے « نصف بہتر » « اغواء سے اجراء تک » وغیرہ خانگی جھگڑوں اور پڑوسیوں کی غیبتوں کے مرقعے ہیں « یہ عبادت ، یہ رسوم » ہماری خلوص سے عاری عبادتوں اور کھوکھلی رسموں کا منھ چڑاتی ہے ۔ « آپ ، تو گھورنے لگے ہم کو » جنگ پسندی ، رشوت خوری ، سیاہ بازاری ، جانفرسا گرانی اور سیاسی لوٹ کھسوٹ کے خلاف پرچم بلند کرتی ہے ۔ « ہم بھی منھ میں زبان رکھتے ہیں » مزدوروں کی حمایت میں سرمایہ داری کو للکارتی ہے ۔ « چاند کی نو آبادی » بین الاقوامی سیاست میں سادہ لوح عوام کے استحصال بالجبر

کی تلخ کہانی سناتی ہے « دیکھنے والا ہو تو » اور « گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل » وغیرہ نام نہاد زاہدوں ، صوفیوں ، عالموں اور دکاروں کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی برائیوں کا تجزیہ کرتی ہیں جن کے دامن گلکار تک نگاہ ظاہر بیں کا پہنچنا دشوار ہے ۔ « جنگ زرگری » ، « ایک سوال » وغیرہ چند افراد کے مفاد کی خاطر لاکھوں انسانوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنے کے خلاف جہاد کرتی ہیں غرض کہ شاد کے تجربات متنوع ہیں بات یہ ہے کہ زندگی نے شاد پر ہر طرف سے یلغار کی ہے اور شاعری میں ان کی زندگی ہر پہلو سے داخل ہوئی ہے ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی کہتے ہیں ۔

« ان کے پاس نت نئے موضوعات اور مسائل ہوتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی موضوع بذات خود شاعرانہ یا غیر شاعرانہ نہیں ہوتا ۔ اسے شعر بنانا خود شاعر کا کام ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ شاد صاحب نے جن جن موضوعات پر نظمیں لکھی ہیں ان کے بارے میں عام شاعروں کا ذہن بھی نہیں جا سکتا ۔ محض داخلیت زدہ شعراء اور تغزل کا پرانا ذوق رکھنے والے ان کے کلام پر ناک بھوں چڑھاتے تھے ۔ ایک صاحب کو میں نے اکثر یہ کہتے سنا ہے کہ صاحب یہ بھی کوئی شاعری ہے نمک سالن میں اتنا تیز ، توبہ — یا — جانتی ہیں افشاً ، میں کون سمہ کی پیدا ہوں — ایسے لوگوں پر مجھے اکثر ترس آیا ہے اس لئے کہ انکا شعری ذوق بہت ہی محـــدود اور ان کی طبیعت میں بے سراپن ہے میں خود اس قسم کی شاعری کا اپنے آپ کو اہل نہیں پاتا لیکن شاد صاحب کے یہ مصرعے میرے ذہن کے سامنے ایسی تصویر کھڑی کر دیتے ہیں کہ ان کی مصوری پر بیساختہ منھ سے واہ نکل جاتی ہے ۔ »[1]

پروفیسر وقار عظیم کا خیال ہے کہ :

« طنز جذبات کے اظہار کا ایک ایسا طریقہ ہے جس میں جذباتی انسان جذبات کی گہرائیوں میں ڈوب کر اس کے سطحی محرکات سے بچتا ہوا کسی

---

۱ ۔ شاد عارفی کی یاد میں — ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی (« ایک تھا شاعر » مرتبہ مظفر حنفی ص ۷۵۱)

ایسی بلندی پر پہونچ جاتا ہے جہاں اس کی آواز میں پیمبرانہ شان پیدا ہو جاتی ہے . . . طنز نگار میں وہ ساری خصوصیتیں ہوں جو طنز کی تاریخی ، اخلاقی اور ادبی اہمیت کو سمجھ کر انہیں بروئے کار آنے میں مدد دے سکیں . ہر اچھی طنز اپنے زمانے کی زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہے » [1]

شاد کی نظمیں اپنے زمانے کی زندگی کی حقیقی معنوں میں آئینہ داری کرتی ہیں . زندگی کا کوئی تاریک گوشہ اور سماج کا کوئی ناہموار پہلو ان کی نظموں کی زد سے بچ نہیں سکا ان نظموں کے ان گنت موضوعات کو ذہن میں میں رکھتے ہوئے قدماء سے آج تک کے تمام شعراء پر نظر دوڑایئے ، اتنے متنوع اور بیش با مضامین پر طبع آزمائی گنتی کے دو ایک ہی نظم گویوں نے کی ہے . ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا خیال ہے :

« اس بد نصیب فنکار نے آزادی سے پہلے رجعت پسند قوتوں کی شکست و ریخت اور آزادی کے بعد سماج کی ہر خامی کی اصلاح اور ہندستانی قومیت کی ایکتا اور جذباتی ہم آہنگی کے صحت مند تصورات کو عام کرنے میں ، اپنے ہمعصروں میں ، سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا » [2]

واقعہ یہ ہے کہ موضوعات کی وسعت کے لحاظ سے اپنے ہمعصروں میں ہی نہیں ، نظیر اکبر آبادی کو چھوڑ کر شاد تمام نظم گویوں سے آگے ہیں . یہاں کسی کو اعتراض ہوسکتا ہے کہ نظیر اکبر آبادی سے چھلانگ لگاکر بیسویں صدی کا ذکر کیسے چھیڑ دیا گیا کہ درمیان میں حالی اور ان کے عہد کی نظم پھیلی ہوتی ہے . اس سلسلے میں ڈاکٹر وزیر آغا کا بیان سنیے .

« حالی کے دور کی اردو نظم موضوع کی تبدیلی کے باوصف مزاجاً نظم کے قدیم رنگ ہی کی مقلد تھی اور اس میں خارجی زندگی کی عکاسی اور ایک اونچے سنگھاس سے ماحول کو دیکھنے کا وہی زاویہ ابھرا تھا جو پہلے ادوار میں

---

۱ - ماہنامہ « ساقی » دہلی (طنز وظرافت نمبر اپریل ۱۹۴۵ ع ص ۳۱)

۲ - شاد عارفی — ڈاکٹر عابد رضا بیدار (پندرہ روزہ « نیا خواب » رامپور یکم نومبر ۱۹۶۲ ع ص ۳)

موجود تھا۔ خارجی زندگی سے داخلی زندگی کی طرف آنے کا وہ انداز جو نظم کا امتیازی وصف ہے، حالی کے نظم میں بھی عام طور پر ناپید ہے۔»[1]

دراصل حالی کی نظم تاریخی اہمیت کی حامل ہے اس کی ادبی اہمیت و عظمت پر اصرار مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ پروفیسر اختر انصاری لکھتے ہیں:

«حالی کے بعد نظم کا قافلہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے داخلیت بتدریج کم اور خارجیت اسی نسبت سے زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ آزاد، حالی، شبلی اور اسمٰعیل میرٹھی کی نظموں میں جو خارجیت ہے اس سے کچھ زیادہ ٹھوس خارجیت چکبست اور اقبال کی نظموں میں ملتی ہے سرور جہان آبادی اور نادر کاکوروی کی رومان آمیز خارجیت کچھ اور بھی آگے کی چیز ہے۔ عظمت اللہ خاں اور شوق قدوائی کی نظموں کی ٹھیٹھ ہندوستانیت میں یہ خارجیت ایک قدم اور آگے بڑھاتی ہے۔ پھر اختر شیرانی کی رومانیت جس خارجیت کے سہارے چلتی ہے وہ بھی پچھلی خارجیت کا محض تسلسل نہیں بلکہ اس کا ارتقائی روپ ہے اور بالآخر خارجیت کا یہ تدریجی ارتقاء جوش کے شاعری کے بیشمار، متنوع اور گوناگوں خارجی موضوعات میں بظاہر اپنی انتہا کو پہنچتا ہوا نظر آتا ہے اس کے بعد شاد عارفی کی نظموں پر نظر ڈالیے۔ نہ صرف موضوعات بلکہ الفاظ، زبان، انداز بیاں، طرز فکر، طرز احساس، طرز گفتار کے لحاظ سے یہ نظمیں کسی پرانے یا مروجہ اسلوب کا اعادہ نہیں ایک نئے ذاتی اسلوب کا واضح اعلان اور ایک تازہ تر آہنگ کو رائج کرنے کی واضح کوشش معلوم ہوتی ہیں۔ ۔ «ہولی» «ملازمہ»، «مال روڈ»، «شوفر» جیسے موضوعات سے ہم ان نظموں میں دوچار ہوتے ہیں۔»[2]

حق تو یہ ہے کہ نظم صرف واقعہ نگاری کا نام نہیں، اس میں خارجیت اور داخلیت کا متناسب امتزاج ہونا چاہیے۔ کسی حد تک یہ خصوصیات قدماء میں

---

۱ - اردو شاعری کا مزاج — وزیر آغا (ص ۳۲۹)
۲ - شاد عارفی کا فن — پروفیسر اختر انصاری («یادگار شاد» مرتبہ مظفر حنفی، زیر طبع)

نظیر اکبر آبادی اور شاد کے ہمعصروں میں احسان دانش کے ہاں نظر آتی ہیں لیکن احسان دانش کے بقول کسے، صابر و شاکر مزدور کا زمانۂ حال میں گذر نہیں کہ وہ آج کے لئے غیر حقیقی ہے۔ کلیم الدین احمد کے الفاظ میں آسمان شاعری پر تنہا ستارے کی طرح چمکنے والے نظیر اکبر آبادی متنوع موضوعات کے پیمانے پر شاد عارفی کے ہم قامت نظر آتے ہیں لیکن ان کے ہاں بھی «بنجارہ نامہ»، «آدمی نامہ» اور اسی قبیل کی گنتی کی چند نظموں کے علاوہ جن میں داخلیت اور مقصدیت کی جھلک ملتی ہے، زیادہ تر (کورے برتن) اور (ریچھ کا بچہ) جیسی میٹھے سے بیگار بھلی والی پڑوس کے ساتھ بٹنے کھیلنے کی باتیں نظر آتی ہیں۔ نظیر اکبر آبادی اور شاد عارفی کے فن میں وہی فرق ہے جو ایک صوفی کے مراحل ٹھہراؤ اور ایک حوصلہ مند انسان کے فطری اضطراب میں ہوتا ہے۔ اس طرح شاد عارفی کی زیر بحث نظمیں اردو شاعری میں خالص طنزیہ نظموں کی اولین مثالیں ہیں۔ عبد اللطیف اعظمی نے غلط نہیں کہا کہ :

«اردو میں ظریف شاعر تو بہت سے مل جائیں گے مگر طنزیہ شاعر انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں»[1]

پھر اگر شاد کہیں :

میر و سودا سے لیکے انشاء تک		غالباً آپ بھی کریں گے صاد
طنز اردو ادب میں تھا ہی... نہیں		اور تنہا بھی اگر تو نام نہاد
جیسے بکھرے پڑے ہوں کچھ ہیرے		جھاڑ پر جیسے تتلیاں آباد
جیسے شہدوں میں سانق بوجہر		جیسے کالی گھٹا میں جگنو شاد

(میرا حصہ دور کا جلوہ)[2]

تو ان کی رائے پر صاد کرنا ہی پڑتا ہے۔ خلیل الرحمن کا کہنا ہے :

«ان برائیوں پر جو ہماری زندگی میں نو کی طرح رچ گئی ہیں، انگلی اٹھانا آسان ہے لیکن انہیں شعر کے سانچے میں اس طرح ڈھالنا کہ وہ صحافت

---

۱ ۔ شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں ــــ عبد اللطیف اعظمی (ص ۱۹۷)
۲ ۔ سفینہ چاہیے ــــ شاد عارفی (مرتبہ سلطان اشرف ص ۶۴)

یا تکندی نہ معلوم ہوں، جو شیر لانے سے کم نہیں بلا شک و شبہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میدان میں شاد عارفی کے آگے کسی کا چراغ نہیں جل سکتا "[1]

ہر برائی کی گرفت کرنا شاد عارفی کے نزدیک ایمان کا سا درجہ رکھتا ہے، ان کا خیال ہے کہ:

"ہر برائی، زنا، شراب، جوا، منافقت کو اگر طاقت ہو تو طاقت سے روک دو ورنہ کمترین ایمان کا درجہ یہ ہے کہ اسے دل میں برا سمجھو اور لعنت کرو ایسے شخص پر جس کا کردار زندیقیوں جیسا ہو "[2]

ان کی فکر کی سمت و رفتار عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اور سماجی ارتقاء کے مطالبات سے ہمکنار تھی۔ وہ شاعری کو سماج اور زندگی سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔ شاعرانہ فکر کا مقصد ان کے نزدیک لاشعوری اور نیم شعوری حذ ات میں غوطے لگانا ہی نہیں بلکہ زندگی کو اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں جانچنا، پرکھنا، سجانا اور سنوارنا بھی تھا پروفیسر احتشام حسین ان کی انہیں خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے "نثر و غزلدستہ" پر تبصرے کے دوران لکھتے ہیں۔

"مجھے ذاتی طور پر شاد عارفی کی شاعری نے متأثر کیا وہ جو تھے وہی ان کی شاعری ہے۔ زندگی نے انہیں جو کچھ دیا وہ ان کے کلام میں کبھی غم و غصہ بن کر، کبھی طنز اور زہر خند بن کر اور کبھی دکھے دل کی پکار بن کر محفوظ ہوگیا۔"[3]

آیئے اب ہم اپنے طور پر تجزیہ کرکے دیکھیں کہ شاد ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی برائیوں پر طنز کو شعر کے سانچے میں کیسے ڈھالتے ہیں۔ سب سے

۱۔ اندھیر نگری ــ شاد عارفی (ملیپ نمبر ۱)

۲۔ مکتوب شاد بنام نہال الدین خیال ("ایک تنہا شاعر" مرتبہ مظفر حنفی ص ۵۷۸)

۳۔ تبصرہ "نثر و غزلدستہ" ــ سید احتشام حسین (ماہنامہ "شاہکار" الہ آباد جولائی ۱۹۶۹ ع ص ۱۴۱)

پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اپنی نظموں کی تمہید کس طرح اٹھاتے ہیں۔ ان کے مجموعہ « اندھیر نگری » میں شامل پہلی نظم « شادی کے بعد » ہے اور اس کی تمہید میں صرف ایک مصرع خرچ کیا گیا ہے :

جوش جوانی۔ جھلکی۔ الفت۔ قاصد۔ کوشش منگنی۔ بیاہ [1]

ارے۔ شاد تو ہمارے قصائد کے اسپ برق گام سے بھی تیز رفتار نکلے۔ ایک صاحب کی جوانی نے جوش مارا، کسی کی جھلک دیکھ کر اس پر مرمٹے الفت کی منزلیں طے ہوئیں، قاصد سے پیغامات بھجوائے گئے، مختلف طریقوں سے کوشش کی گئی، پھر منگنی بھی رچ گئی اور بالآخر بیاہ ہوگیا۔ الفاظ کی یہ کفایت شعاری اور اس طرح کہ نظم کا مکمل پس منظر بھی ابھر آئے، بہ ظاہر آسان اور بہ باطن بیحد جان لیوا ہوتی ہے۔ ویسے ضرورت اسی بخل کی تھی کیونکہ اصل نظم کا عنوان ہی « شادی کے بعد » ہے، یہاں شادی سے پہلے کے مراحل کی تفصیل میں جانا، وہی خامی ہوتی۔

دوسری نظم ہے « بہتان » — بسم اللہ یوں ہوتی ہے :

ابھی (شوروم) حسن نے چھوڑا ہے شعر ہے۔ بہترین جوڑا ہے

تمہید ختم ہوئی (بہترین جوڑے کو شعر کہنے کی ادا چاول پر قل ھو اللہ کی طرح چمک رہی ہے) دو ہی مصرعوں کے بعد اصل بہتان طرازی شروع ہوجاتی ہے اور پہلے بند کے خاتمے کا انتظار کئے بغیر تیسرا مصرع بات کو کافی آگے بڑھانے کے لئے استعمال کرلیا گیا ہے :

ان کا بچہ، اگر نگوڑا، ہے [2]

« نمائش نمبر ۴ » :

نمائش پہ اس بار بھی میرے شاگرد و احباب کچھ تبصرہ چاہتے ہیں
« حیا جوودہ و فحش عرلوں » کی بابت نیا رخ نیا زاویہ چاہتے ہیں
جو ہیں صرف کانوں میں کہنے کی باتیں، بہ بانگ دہل، برملا چاہتے ہیں [3]

---

۱ - اندھیر نگری۔ شاد عارفی (ص ۱۷)
۲ - ایضاً ص ۱۸ ۳ - ایضاً ص ۳۸

اور پھر چل مرے خامہ — پورے پینتالیس مصرعوں کی طویل نظم کا پس منظر تین مصرعوں میں بیان کردیا گیا اور اپنا نقطۂ نظر بھی واضح کردیا گیا کہ نظم میں کانوں میں کہنے کی باتیں نہ بانگ دہل ، بر ملا کہی جائیں گی اور حیا خوردہ وحشی غزالوں (آبرو باختہ عورتوں کے لئے شاد کی مخصوص علامت) کو نئے رخ اور نئے زاویئے سے دیکھا جائے گا

اسی طرح « جہیز » میں

گزرنے والی برات پر جائزے کا اقدام کر رہا ہوں

اور تمہید تمام، جائزہ شروع :

وطن کی تقلیدِ صرفِ بیجا پہ نقد کا کام کررہا ہوں[1]

"یوم محمد علی جوہر" خاصی طویل نظم ہے لیکن اس کی تمہید میں صرف ایک شعر صرف ہوا :

داعیانِ یوم جوہر آئے پرسوں میرے پاس

دعوتِ شرکت، پہ میں نے ان سے کی یہ التماس[2]

شاد کے پاس کہنے کے لئے اتنی باتیں ہیں کہ انھیں بیجا تفصیل میں جانے کی فرصت ہی نہیں ملتی ان کی سبھی نظموں کا آغاز اسی طرح چند الفاظ یا ایک دو مصرعوں سے ہوتا ہے کوئی بات دہرائی نہیں جاتی اور خیال انگیز کنائے ، استعارہ یا علامت نظم کو تیزی کے ساتھ آگے کی طرف دھکیل دیتے ہیں . اس رخ پر نظر جماکر اردو کی عام نظمیں حتّٰی کہ آزاد نظمیں بھی دیکھ جائیے (جن میں غیر ضروری طوالت سے بچنے کی غرض سے بیشتر فنی پابندیوں سے معافی چاہ لی جاتی ہے) ان میں سے اکثر کی تمہید پوری نظم کے چوتھائی اور بسا اوقات نصف سے بھی زیادہ حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے شاد نہ روایت سے مرعوب ہیں نہ جدید ترین فیشن سے متاثر ، ان کی نظم تمہید کے پلیتے کو آگ دکھلا کر فوراً اصل مقصد کی طرف لپکتی ہے اور ایک آدھ تمہیدی مصرع کی یہ مہتابی آخر دم تک پوری نظم کی فضا کو تاباناک بنائے رکھتی ہے .

۱- نثر و غزلدستہ (مرتبہ مظفر حنفی) - شاد عارفی (ص ۲۲۰)

۲- نثر و غزلدستہ - (ص ۲۱۸)

شاد عارفی کی طنزیہ نظموں میں جذبے کی شدت اور حقیقی غم وغصہ کے لاوے کا وہ اُبال اور ایسی حرارت ہے کہ اسکی نظیر اردو شاعری میں کمیاب ہے البتہ نثر میں مولانا ابوالکلام آزاد کی طنزیہ تحریریں اسی گرمی اور شدت کی جھلک رکھتی ہیں اپنی اس خصوصیت کا شاد کو خود بھی احساس ہے اور جارحانہ تیوروں کے لئے ان کے پاس جواز بھی موجود ہے :

بدلتی نہ دیکھی کبھی بھیڑ چال
گنوالے نہ جب تک اڑادی نہ کھال
نہیں سر سے پانی گزرنا محال
تو پھر شعر میں نقد عریاں حلال
مرادوں کو ملتی ہے نشتر سے فال[1]　　　(نمائش نمبر ۲)

اس گرمی اور شدت کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے ۔

لگ چکا ہے ان کی داڑھی کو کلف
یہ غلامان سیاست اقتدار　　قوم کے کاندھوں پہ رہتے ہیں سوار
دیکھنے میں ہستی معقول بھی　　پردہ دار عیب، زریں جھول بھی
چغلیاں کھاتے ہیں کردار و عمل　　عقل کو لاحق ہے کرسی کا خلل
دیکھنا، تالی پٹے گی ہر طرف
لگ چکا ہے ان کی داڑھی کو کلف[2]　　　(آپ کی تعریف)

کلف دار داڑھی کے ساتھ قوم کے کاندھوں پر پیرِ تسمہ پا کی طرح سوار، زریں جھول میں چھپے ہوئے سفید ہاتھی کو دیکھ کر صرف 'اچھے لوگ، ہی نہیں، ہر سمجھدار آدمی تالی پیٹنے پر مجبور ہوگا

'السّلام علیک، احساسات پر گھن کی طرح
بےبہت آواز، امریکہ کے انجن کی طرح
اور گلُمچھّوں کا وہ عالم کہ راون کی طرح[3]

(گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل)

---

۱ - اندھیر نگری - شاد عارفی (ص ۲۹)
۲ - سفینہ چاہیئے - شاد عارفی (ص ۲۰)
۳ - سفینہ چاہیئے - شاد عارفی (ص ۳۱)

کردار سے نفرت پیدا کرنے کا یہ انداز کہ اس کا سلام پُر تصنّع، سامع کے کے احساسات پر گھن برسائے، شاد عارفی کی نظموں میں عام ہے۔

ایک آزاد نظم میں شب برات میں آتش بازی کے صرف بیجا پر طنز کا تیکھا انداز دیکھئے جو تیوہار گزر جانے پر اظہار محبت کے پردہ میں چھپا ہوا ہے

• • • نہ جرابند دماغوں کو کریگی گھائل،
سرد پڑ جائے گی سرگرمئی آتش باراں،
نہ مکانوں میں وہ بارود سے پھیلی ہوئی بدبو نہ انبار امداری،
نہ ہی پلٹیں گے فضاؤں سے «شہاب صد رنگ»،
بھسم ہوجائیں گے چھپّر نہ لگے گی کہیں آگ۔
اپنے گیراج میں سوجائے گا فائر بریگیڈ [1]

اقتباس میں «شہاب صد رنگ» کے ذکر سے رنگینی کا تصور وابستہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ شاد عارفی کے مخصوص زاویں میں ہے۔

اور دیکھئے کنجوس لکھپتی پر انکا یہ وار کیسا کاری ہے۔

لکھپتی بہت سے ہیں شہر میں، مگر کنجوس۔ انتہا کے مکھی چوس
طنز ہر سوالی پر، چوٹ خستہ حالی پر
عشرةً بڑے مصروف، فطرةً بڑے کنجوس
ایک ایک پیسے کو دانت سے پکڑتے ہیں گھتیاں رگڑتے ہیں
آنت اور کھالوں سے، سینگ اور بالوں سے
کیمیا بناتے ہیں، ہڈیوں پہ لڑتے ہیں [2]
(لکڑ گدے)

کتوں کی سی خصلت رکھنے والے ایسے اشخاص سے کیسی گھن آتی ہے۔ سامع کو محسوس ہوتا ہے جیسے بدن پر چھپکلی آبیٹھی ہو۔

---

۱ - سفینہ چاہیئے - شاد عارفی (ص ۳۷)
۲ - سفینہ چاہیئے - شاد عارفی (ص ۴۶)

مذہبی بحث کے دوران ، فرقہ پرست افراد کی ہئیت کذائی اور جنون آشام فطرت کی جھلک ان سطروں میں کیسی بولتی ہوئی علامتوں اور عرانی ہوئی پیکروں کے ساتھ منتقل کردی گئی ہے :

اندے پھندے پنجرے کے اندر گھس آیا اخلاقی کال
ہندو مسلم جھگڑے نے دی موقع پاکر ہڈی ڈال
ابھرے آگ بگولے دونوں ، تیور کڑوے ، آنکھیں لال
بربر شامی جوش میں آئے ، اکڑی اینٹھی بھاجی دال
عمامے نے گھونسہ تانا ، پگڑی نے کی گالی سر
عصوبیّاتی وردو وظائف ، حسیّاتی نقد و نظر
اسکا ہاتھ گریباں اس کا ، اسکا جوتا ، اسکا سر
ثالث سمی صلح میں حیراں ، یہ استالن ، وہ ہٹلر
دونوں کے دونوں دیوانے ، دونوں کے دونوں حق پر[1]

(دیہاتی لاری)

علام ملک کی دیہاتی لاری اندے پھندے پنجرے کی علامت اختیار کر گئی ۔ اخلاقی گراوٹ پر بحث کے دوران ہندو مسلم جھگڑا ، کتوں کے بیچ ہڈی پھینک دیتا ہے ۔ دونوں فریق آگ بگولہ ہوئے ہیں کڑوے تیور اور لال آنکھوں کے ساتھ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ایک بربرشامی ، دوسرے بھاجی دال کی طرح اکڑے اینٹھے ہوئے عمامہ گھونسے تان لیتا ہے ، پگڑی ، صلواتیں سناتی ہے انجام کار اسکا گریباں اُسکے ہاتھ میں ہوتا ہے اسکا جوتا اِس کے سر پر سمجھانے والے حیراں ہیں کہ ایک استالن سے کم نہیں ، دوسرا ہٹلر کا ثانی ہے ۔ دونوں کو اپنے برحق ہونے پر اصرار ہے ، ظاہر ہے کہ دونوں عقل سے معذور ہیں ۔

تضیع اوقات کرنے والے نے عملوں کا یہ مرقع بھی قابل دید ہے ۔

فرش پر بیٹھے ہیں کچھ احباب سر جوڑے ہوئے
دوسری دنیا میں ، اس دنیا سے منہ موڑے ہوئے

---

۱ ۔ سماج ۔ شاد عارفی (ص ۹۶ ۹۵)

وہ سپہ سالار بے لشکر ہے ان میں فرد فرد
ہے بساط تنگ داماں جس کو میدان نبرد
دل غنی اس کا وثیقے پر ، اسے رشوت پسند یار
ڈاسر اس کی بہن ، اس کا چچا طبلہ نواز
اگلے وقتوں کا یہ شہزادہ ، تو وہ جاگیردار
اور یہ نواب پھلکی جاہ ، وہ بسکٹ وقار
قرض کی پیتے ہیں لیکن دل میں کہتے ہیں کہ ہاں
باپ مر جائے تو رکھیں رہن ، بستان و مکاں[1]

(شطرنج)

ایسے سپہ سالاران بے لشکر ، اگلے وقتوں کے شہزادے اور جاگیر دار اور رشوت خور نوابان پھلکی جاہ و بسکٹ وقار ، جن کے سلسلے ڈاسروں اور طبلچیوں سے ملتے ہوں ، شاد کے سامنے آکر طنز کا زخم اٹھائے بغیر نہیں جاسکتے ان کی طنز میں اناطول فرانس کا رمزیہ انداز ، جوناتھن سوئفٹ کی کاٹ ، والٹیئر کے سرفروشانہ تیور اور الگزینڈر پوپ کی سی جارحیت ہے ۔

ہف واکر لکھتا ہے :-

"Satire can not rise to its highest point unless it has a great theme" 2

طنز اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ ہی نہیں سکتی اگر اس کا مقصد بلند نہ ہو شاد کی طنز اپنے لئے ہمیشہ عظیم مقاصد کا انتخاب کرتی ہے ایک جگہ «ہولی» کے حسن ، رنگینی اور تقدس کا بیان کرنے کے بعد اس کا دوسرا رخ پیش کرتے ہیں ۔

طبقۂ ادنیٰ میں ہولی کی ہوئی ، کریا خراب ، عقل کو ٹھنوں میں لے آیا مسرت کا عذاب
چل پڑے پی کر گھروں سے دشمن ناموس و ننگ چار جانب رنگ میں پیدا ہوئے آثار سگ
کوئی بیجا شکل نابنجار پر باندھے ہوئے کوئی سر کے گرد پشم اسپ و خر باندھے ہوئے

---

۱ - سفینہ چاہیئے شاد عارفی (ص ۶۲)

۲ - Hugh Walker — English Satire and Satirists (ص ۲۵۵)
(Indian Edition)

دھیان دار رومیں تو بے تک ناچ میں مشغول سب آپ پیروں سے اڑا کر پھانکتے تھے دھول سب
بھنگ جس جاسب سمائے چلد نے جھکتے ہوئے صاف چو ہولوں کے اندر گالیاں بکتے ہوئے
کودتے، اودھم مچاتے کوچہ و بازار میں ہوش بیچارے کو گوندھے جوتیوں کے ہار میں
ایک گھیرے میں حصار شور وشر باندھے ہوئے بیہودی میں بے حیائی پر کمر باندھے ہوئے
تا کجا سرمستیوں کا یہ تماکانی نظام شاد اس مقصد و نظر کو فکر شاعر ناتمام

یہ سیاہی ہند کے چہرے سے دھونی چاہیئے
اس مقدس رسم کی اصلاح ہونی چاہیئے[1]

(ہولی)

ان گھرانوں کا ذکر بھی سنئے جو شاد کے محلے میں گناہوں کا فیض جاری کئے ہوئے ہیں

یہ گھس کھُدے تھے کبھی، مگر اب تو لاریاں چل رہی ہیں ان کی
وہ لڑکیاں پل چکی ہیں ان کی، وہ لڑکیاں پل رہی ہیں ان کی
بغیر ٹکسال کے، زمانے میں گنّیاں ڈھل رہی ہیں ان کی[2]

(میرے محلے کے دو گھرانے)

آخری مصرع فحش ترین گالی کا درجہ رکھتا ہے لیکن انداز وہ کہ تاجور نجیب آبادی ان دلچسپ گالیوں کو متاع جان کی طرح عزیز رکھتے تھے۔[3]

مذہب کے ایک ٹھیکیدار کے باب میں کسان کی زبان سے کہتے ہیں :

ٹھیکیدار بھلے کو آئے نکلے دھوپ تو جاڑے، جائے
صبح کو پورا مرغا کھائے شام سے پھر دوزخ بھڑکائے
ہم اس جنت سے بھر پائے[4]

(پیرِ دہقاں)

---

۱ سفینہ چاہیئے ۔ شاد عارفی (ص ۷۵ ۴۷)
۲ شر وعر لدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۰۲)
۳ راوی ناصر کاظمی ۔ شاد (مرتبہ عابد رضا بیدار ص ۳۰)
۴ پیر دہقاں ۔ شر و غزلدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۰۴)

یو پی کے کسانوں کی زبان میں دھوپ نکل آنے پر ، جاڑے جانے ، کا بیان پیڑ پیڑ کے پات میں کتنی چہکتی ہوئی طرز ہے . صبح کے مرغ کا غم ابھی تازہ ہے پھر شام سے دورح بھڑکانے کا خدشہ پھندے کی طرح الگ جھول رہا ہے ایسی جنت سے تو بہ بھلی

ایک نظم میں کیمپ میں پناہ گزیں ، فرقہ وارانہ فسادات کا شکار ہونے والوں کی عبرتناک حالت ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے :

یہ جیل کی طرح اک عمارت جو کیمپ کا کام دے رہی ہے

جو دور سے اپنے ساکنوں کا ، پیام ، انجام دے رہی ہے

اداس چہروں سے ناموافق غذا کا طرز عمل رہا ہے

ابھی جمل پور جل رہا ہے

نہیں ہے ہر سو میں ساٹھ ستر کے پاس کچھ ، اوڑھنا بچھونا ،

جو جاگنا دن کو سر بہ زانو تو شب کو ہاتھوں کے بل پہ سونا

سحر کو جو ہاتھ سر کے نیچے رہا تھا ، مفلوج و شل رہا ہے

(ابھی جمل پور جل رہا ہے)[1]

ریاست کے زریں اصولوں کا ذکر :

جوہر قابل کے دشمن ہیں ریاست کے اصول اپنے بل بوتے کوئی پہنچے سر عرش قبول

جس میں آزادی کے گن دیکھے اسے گہنادیا سخت جان نکلا تو طوق آہنی پہنادیا

نام سے اہل سیاست کے لرز جاتا تھا تاج کروٹیں لیتا تھا کانٹوں پر شہنشاہی مزاج[2]

(یوم محمد علی جوہر)

شراب نوشی کے مختلف طریقے دیکھئے .

مشاہدہ ہے کہ پیتے ہیں سب بگاڑ کے منہ

سعید حلق پکڑ کر ، مہیش پھاڑ کے منہ

یہاں لتیڑ کے کیچڑ ، وہاں لتاڑ کے منہ

کرے جو عقل کی مٹی خراب ، بکتی ہے

---

۱ نثر و غزلدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۱۰)

۲ نثر و غزلدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۱۹ ۲۱۸)

وجہ اس کی نہیں گندگی میں، شئے کوئی
جو پاج تھو، کوئی پی کر، چڑھا کے قے کوئی
کرے جو اس کو گوارا، دماغ ہے کوئی
سحن وروں میں مگر مشک ناف بکتی ہے[1]
(میرے پڑوس میں ۔)

نمائش میں آبرو باختہ عورتوں کی ٹولیاں دیکھ کر شاد کا خون کھول اٹھتا ہے ۔

یہ اسکول کی کنواریاں دیکھئے وہ ٹھٹکیں، طلبگاریاں دیکھئے
مچلتی ہوئی ساریاں دیکھئے وہ سمہلیں طرحداریاں دیکھئے
بہت ایک، بے چاریاں دیکھئے[2]
(نمائش نمبر ۲)

اس لطف کو دوبالا کرنے کے لئے اسی سلسلے کی دوسری نظم کا مندجہ ذیل بند بھی ملاحظہ فرمائیے

یہ اولی جو بہتا، لئے پھر رہا ہے یہ جھرمٹ، جو شرما لئے پھر رہا ہے
یہ سوسن جو لالہ لئے پھر رہا ہے یہ 'پیشے'، جو 'چشمہ لئے پھر رہا ہے
ضرورت سے زائد جو شرما رہی ہیں
تصّور میں ننگی نظر آ رہی ہیں[3]
(نمائش نمبر ۳)

سوسن کے ساتھ لالہ کے ذکر پر آپ کو سنبل مرا تازیانہ لانا۔ شمشاد اسے سولی پر چڑھانا۔ جیسا 'لطف آیا کہ نہیں۔ پھر عصمت فروش عورتوں کے لئے 'پیشے، اور اُن کے گاہک کیلئے 'چشمہ، جیسے استعاراتی الفاظ گنجینۂ معنے کا طلسم ہیں یا نہیں ؟

کبھی کبھی اندر کا لاوا ان کے لہجے میں خشونت اور تیزابی کیفیت بھی پیدا کر دیتا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں ع

---

۱ ہنر و عرلدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۳۰)
۲ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۹۴)
۳ اندھیر نگری ۔ شاد عارفی (ص ۲۳)

سوچتا تھا، صاحبہ، اور ہونٹوں پر مضراب کی رٹ
اور بخشش میں اسے جوتوں کے بدلے سینٹ کیوں
وہ جو شوہر نے کہا، صاحب بھی کس گھر سے ہیں
دشمنوں کے کان بہرے، دور کچھ سنتا تو ہوں
مولی مولی، بھنڈی بھنڈی، گود میں کُتا لئے
میرے پاس و ناندہ دی جائے تو گولی ماردوں[1]

(کشمیری بھکارن)

عمر کے بوڑھے لیکن زبان کے جوان غزل‌خوان کی اس طرح خبر لی جاتی ہے عہ

رعشہ براندام لیکن وصل جاناں کی ہوس — جھریاں چہرے پہ، دل مردہ، تمنائیں جواں
حظ موسیقی یہاں تک ناشناس عذر لنگ — کانپتے لب، ہانپتے نغمے، تنفس ہچکیاں
تف برآں محبوب آوارہ، ہمہ عالم رقیب — کوچہ و در پر عدو ہیں کارواں در کارواں
نار ہیں کی آڑ میں چنگیز خاں سے تجھکو عشق — آستیں میں دشنہ حلقہ، ہاتھ میں تیر و کماں
تیری آہوں کا کرشمہ سر م احرام فلک — چرخ نیلی فام میں سوراخ ہیں، تارے کہاں
الحذر! اے شہسوار ہرزہ تازی، الحذر! — الاماں! اے یکہ تاز بد کلامی، الاماں[2]

(تادیب)

کسی انسان کے ساتھ ناانصافی شاد برداشت کر ہی نہیں سکتے۔ مزدوری کے مسئلے پر قلی سے جھگڑ دینے کے جرم میں ایک صاحب کا حشر دیکھئے عہ

یہ حماقت کون؟ ایک صاحب! مگر ہندی نژاد — سگ موسی میں گرجتا تھا مزاج برق و باد
یہ قلی پر یا قلی حب اس پہ غرانے لگا — آدمی حیوان ناطق ہے، یقین آنے لگا[3]

(حیوان ناطق)

یہاں سگ موسی میں مزاج برق و باد کے گرجنے سے زیادہ ہندی نژادیت، صاحب کا نام پوچھ رہی ہے۔

خاندانی اختلاف کی بناء پر معصوم محبتوں کا خون کرنے والی سماج کو شاد بھلا کیسے بخش دیتے عہ

---

۱ سماج ۔ شاد عارفی (ص ۱۲۲)
۲ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۵۷، ۵۶)
۳ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۶۸)

گزر چکا ہے ہمارے مستقل محبت کے سر سے پانی
اتھاہ ساگر سماں حائل ہیں اختلافات خاندانی
سماج، خود سر سماج، دو ہستیاں مٹانے پہ تل چکی ہے
یہ حالت میں آبروئے مراسم کچھ کھل چکی ہے
وہ اسکے ہوں اقرباء کہ میرے دماغ ان سکے چل چکے ہیں
دوام اُلفت کے پاک جذبے ندامتوں سے کچل چکے ہیں[1]

(فسانۂ ناتمام)

ایک سیاہ کار حکمران ریاست موت کی گھڑیاں گنتے ہوئے اپنے گناہوں کو مجسم دیکھ رہا ہے عہ

یہ وہ کنواریاں جو اُڑادی گئی تھیں   اُڑادی، سلادی، چھپادی گئی تھیں
چھپادی، مٹادی، جلادی گئی تھیں   جلادی، دبادی، بہادی گئی تھیں
بھیانک ارادوں سے للکارتی ہیں
میرے حال پر قہقہے مارتی ہیں[2]

(رنگیلے راجا کی موت)

ان اونچے اونچے محلوں میں بھی دنیا بھر کی برائیاں پرورش پاتی رہتی ہیں، ایک جھلک ان کی بھی عہ

اس نے تسلیمانیں داغیں، اس نے جھوٹ کی لنکا ڈھائی
رائی کو پربت لہرایا، پربت کو لہرایا رائی
کچھ ایسے، جیسے بھینسوں کو بین سنائیں یا شہنائی
ایک قصیدہ 'چھتیانا' ہے ایک خوشامد بر موتا ہے
ان اونچے اونچے محلوں میں اور بتائیں کیا ہوتا ہے[3]

(ان اونچے اونچے محلوں میں)

'تسلیمات' کے داغنے اور 'قصیدے' کے 'چھتیانے' نے لہجے میں جو نارودی کیفیت پیدا کی ہے اُس کی داد اہل نظر ہی دے سکتے ہیں۔

---

۱ سماج ۔ شاد عارفی (ص ۱۲)
۲ شوخی تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۳۸)
۳ شوخی تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۲۰)

دراصل پریشانی یہ ہے کہ شاد اپنی نظموں کے تانے بانے کچھ اس طرح بنتے ہیں کہ اُن کا ہر مصرع اپنے اگلے پچھلے مصرعوں سے جکڑا ہوا ہوتا ہے اور کوئی جزو نظم سے نکل کر اپنا آدھا حسن بھی برقرار نہیں رکھ پاتا۔ جس طرح ہرن کی آنکھیں نکال کر بطور نمونہ پیش کرنے سے 'چشم آہو' کی خوبصورتی کا اندازہ ممکن نہیں۔ بعینہ وہی معاملہ شاد کی نظموں سے اقتباسات پیش کرتے ہوئے سامنے آتا ہے۔ بہر حال مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں اس بات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوجاتا ہے کہ شاد کی نظموں میں جذبے کی گرمی اپنی انتہا پر ہے اور ساتھ ہی ان میں مخصوص شعریت، ادبی شان، ندرت خیال اور لطافت بیان واقعہ کی کارفرمائی بھی ہے۔

ماجد الباقری لکھتے ہیں :-

«اردو کا شعری سرمایہ گھر ایسے مثلثوں، خمسوں اور مسدسوں سے بھرا پڑا ہے جن کے ہر بند میں دو چار مصرعے بھرتی کے ضرور ہوتے ہیں اور نظم کے تسلسل میں بند کے بند قلابازیاں بھرتے ہوئے حشو و زوائد کے تہہ خانوں میں اُترتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن شاد ایک مصرع بھی بھرتی کا نہیں کہتے۔»[1]

افسانے کی طرح نظم بھی وحدت تاثر کا مطالبہ کرتی ہے، جو محض بندوں کا پیٹ بھرنے یا قافیوں کو سجانے کی غرض سے کہے ہوئے بھرتی کے مصرعوں اور اشعار سے، منتشر ہوجاتی ہے۔ ویسے بھی شاعری، نثر کی بہ نسبت الفاظ کے خرچ میں زیادہ محتاط ہوتی ہے۔ نظموں میں غیر ضروری تفصیل شاد کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔ جوش ملیح آبادی پر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ انھوں نے اپنے منفرد انداز میں لکھا ہے :-

«موصوف لفظی بھان متی کا کنبہ جوڑنے میں اپنا جواب آپ ہیں چنانچہ آپ جب چاہیے موصوف کی طولانی نظموں کے سر پیر کاٹ کر پڑھیں۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔»[2]

۱　شاد عارفی کی نظمیں ۔ ماجد الباقری (ہفت روزہ «ریاست» راولپنڈی استقلال نمبر ۷۰ع ص ۱۹)

۲　مکتوب شاد بنام مشفق خواجہ ۔ («ایک تنہا شاعر» مرتبہ مظفر حنفی ص ۴۷۳)

اس کے برعکس شاد کی کوئی بھی نظم اُٹھائیے اور اس کا کوئی ایک مصرع ہٹا کر پڑھیئے، نظم نامکمل نظر آئے گی یہ خصوصیت اردو نظم گویوں میں بطور خاص ایسے فنکاروں میں جو بانبد نظمیں کہتے ہیں، کسی اور کے ہاں مشکل سے نظر آئیگی۔

ایسا بھی نہیں کہ شاد عارفی اپنی نظم کو کھینچ تان کر مختصر بناتے ہوں جہاں نظم کا کینوس تفصیلات کا مطالبہ کرتا ہے وہاں شاد جزئیات کا کمال بھی دکھاتے ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی بہ ظاہر حقیر سی باتوں کے ذکر سے کردار کی نفسیاتی کشمکش، واقعہ کے کسی جذباتی اُپج یا کسی اہم نکتے کی طرف واضح اشارے کرتے چلتے ہیں۔ مثلاً «ابھی اس راہ سے کوئی گیاہے» میں ایک مسٹریس پر عصمت فروشی کا الزام عائد کرتے ہوئے اُسکا دوسرا کردار کہتا ہے ؎

یہ پھیکے ہونٹ، یہ پامال عارہ بڑی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں
اگر یہ وہم ہے بستہ سوارا! نگینے چوڑیوں کے جھڑ گئے ہیں
تھکی شانوں سے ڈھلکاتی ہے پلو
یہ کیوں منھ پھیر کر ہنستا ہے کالو؟[1]

(ابھی اس راہ سے)

پھیکے ہونٹ، پامال عارہ، آنکھوں کے حلقے، چوڑیوں کے جھڑے ہوئے نگ، سرکتا ہوا پلو، تکان کا اظہار اور ملازم چھوکرے کی پراسرار ہنسی سب کچھ شاعر کی نگاہ میں ہے۔

اسی طرح «دادی اور پوتی» میں اسکول جانے والے بچوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے کتنے نظم گو ایسے مقامات پر ان جزئیات کا خیال کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل بند میں نظر آتی ہیں ؎

«ہماری اچکن کی جیب آیا» «ہماری کاپی پھٹی پڑی ہے»
«سلیٹ کی پینسل کہاں ہے؟» «قلم زمیں پر کٹی پڑی ہے»
«کسی بھی دوات میں سیاہی نہیں، پھپھوندی الٹی پڑی ہے»
«کہاں چلے؟ ٹوپیوں کو دیکھا بھی دھول دھانی ڈٹی پڑی ہے»
«کہیں سے بس لیجئے کہ راہ نجات، مجھ کو رُلی پڑی ہے»[2]

(دادی اور پوتی)

---

۱ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۱۲۶)
۲ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۸۴)

بڑی بات یہ ہے کہ شاد عارفی کا غم وغصہ، شدت احساس، تلخ تجربات، جھلاہٹ، جھنجھلاہٹ، شمشیر برہنگی اور جارحیت صرف سماجی ناہمواریوں، ظلم اور ظالموں، خامی اور خامکاروں کے لئے وقف ہے، وہ فرط جذبات سے بےقابو نہیں ہوتے اور ہمیشہ ادب کے دائرے میں رہتے ہیں اُن کی ۱۰۰ سو طنزیہ نظموں میں سے ۹۹ ننانوے ایسی ہیں جو ذاتی بغض وعناد سے پاک ہیں۔ ہر چند کہ بقول شاد اُن کی کوئی نظم ہوائی نہیں ہے اور ہر نظم کا ماڈل اُن کے سامنے رہا ہے لیکن انھوں نے ایسی ہر نظم کو آفاقیت عطا کردی ہے کہ ہر مقام اور ہر موقع پر چسپاں ہوسکتی ہے۔ جذبے سے اپنی شخصیت کو اس طرح علحدہ کر لینا خود اپنی کھال اُتارنے سے کم تکلیف دہ عمل نہیں ہے اور شاد عارفی نے اس عمل کو کم از کم ننانوے بار دہرایا ہے اس لئے اُنکی یہ نظمیں وقتی اور شخصی ہنگاموں سے متعلق ہونے کے باوجود ہمہ گیر اور آفاقی ہوگئی ہیں۔ جہاں جہاں اور جب جب ظلم ہوگا عدم توازن پایا جائے گا اور جب تک کسی بھی نوع کی مظلومیت باقی رہے گی، شاد عارفی کی نظم اپنی اہمیت کا احساس دلائے گی۔ ان نظموں میں جو جھلاہٹ ہے اسے حالات کے سامنے اعتراف شکست سمجھنا بھی درست نہیں، یہ دراصل حق گوئی پر اور زیادہ زور دینے اور اپنی بات پر اصرار کا ایک انداز ہے اور منفرد انداز ہے۔

جس ایک نظم کو میں نے مذکورہ بالا نظموں سے علحدہ کرلیا ہے اس کا عنوان "پیسے ملے تو جوش مسلمان ہوگیا[1]" ہے۔ اس میں شاد نے ہمارے شاعر انقلاب کے پاکستان ہجرت کرجانے پر خاص خاص واقعات کی نشاندہی کرتے ہوئے نام لے کر طنز کیا ہے چنانچہ یہ نظم ایک فرد مخصوص کی ہجو اور ہنگامی نوعیت کی چیز بن کر رہ گئی ہے لیکن ہمیں یہاں شاد کو مطعون کرنے سے قبل اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا کہ تقریباً ہر انصاف پسند آدمی اور باشعور فنکار نے حتیٰ کہ پاکستانی شاعروں اور ادیبوں نے بھی جوش کی اس غیر شاعرانہ ہجرت پر لعن طعن کی ہے جسکا شاہد، شاہد احمد دہلوی کے "ساقی" (کراچی) کا ضخیم جوش نمبر ہے

---

۱ سفینہ چاہیئے ۔ شاد عارفی (ص ۶۳)

شاد عارفی کی طنزیہ نظمیں یک رُخی نہیں ہیں نہ اُن میں یکطرفہ فیصلے ہی صادر کیے گئے ہیں جہاں دکھتی ہوئی رگ ہوتی ہے شاد کی طنز کی اُنگلی وہیں پڑتی ہے اور فاسد مادّے کی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ صحتمند عضو پر چوٹ لگانے کے قائل نہیں ہیں صداقت ہمیشہ تلخ ہوتی ہے اور اپنی تلخی کے باعث طنزیہ شاعری عام لوگوں میں اس حد تک مقبول نہیں ہوتی جیسی کہ مثال کے طور پر جگر مراد آبادی کی شاعری، لیکن اصناف ادب میں طنز کی اہمیت اپنی جگہ برحق ہے اور ادب میں طنز کا وجود تبھی ممکن ہے جب زندگی کے کسی کمزور پہلو، سماج کی کسی خامی، کسی ادارے یا ناٹپ کردار، کو نشانہ بنایا جائے۔ اگر ادب اور ادبیت، اخلاق اور سماج، فن اور مقصدیت میں تعلق ضروری ہے تو وہ طنز سے بے نیاز نہیں رہ سکتے البتہ طنز نگار کو اس معاملے میں بیحد محتاط رہنا ہوتا ہے کہ اسکا وار ٹھیک اسی جگہ پڑے، جہاں اسکی ضرورت ہے ورنہ ایک کی جگہ کئی رگیں دکھنے لگیں گی شاد عارفی کی نظمیں نہ صرف یہ کہ غیر ضروری عناصر پر اپنی ضربیں ضائع نہیں کرتیں، بلکہ ان میں بیکس، مظلوم اور مجبور افراد کے لئے ہمدردی کے نمونے بھی بکثرت نظر آتے ہیں، جن سے ان کی نظموں کو ادبیت میں بدرجہا اضافہ ہوجاتا ہے

ہم سے آگے جارہا تھا گاؤں کا وہ نوجواں جس کی سرگرمی پہ برساتا ہے اولے آسماں
جس کا خرمن پھونکتی ہے فطرت نامہرباں دودھ جس کی گائے کا جاتا ہے پٹواری کے ہاں
جس کے بیلوں کو کبھی مہلت نہیں بیگار سے
جس کو چھٹکارا نہیں شیطان کی پھٹکار سے[1]

(جبر و قدر)

اب یہ اور بات ہے کہ شاد ایک تیر سے چار شکار کرتے ہوئے کسان کے ساتھ ہمدردی کے علاوہ، ناموافق موسم، بیگار کی علت اور رشوت خور پٹواری پر بھی طنز کر گزریں

وہ نوکرانی کہ مفلسی جس کو خدمتوں سے لگا چکی ہے
جو عجلت کار کے تقاضوں میں آدمیت گنوا چکی ہے

---

۱ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۱۵۴)

جو بے محابا کتاب تلنے میں ساتھ اپنے جلا چکی ہے
جو ڈانٹ پر ڈانٹ کھاچکی ہے جو آگ پر گھی گرا چکی ہے
جو اپنے بھوکے یتیم بچے کو دے کے ٹکڑا ہٹا چکی ہے
یہ لغزشیں ہیں کہ جن پہ بیگم اسے ہزاروں سنا چکی ہے[1]
(نوکرانی)

ایک طنز نگار اس سے بڑھ کر اور کس طرح مظلوم کے ساتھ ہمدردی کرسکتا ہے۔

یہ مدرس ہیں کسی اسکول میں
پانچ بچے، ایک بیوی، ایک ماں　　بیس[20] ماہانہ بہت ہیں۔ کم کہاں
ان کے جوتے بخیہ گر سیتے نہیں　　سول بھی غائب، اگر فیتے نہیں
ٹیوشنس چاہیں تو کرسکتے نہیں　　سر کھپا کر پیٹ بھر سکتے نہیں
لوٹ کر آئے ہوں جیسے دھول میں
یہ مدرس ہیں کسی اسکول میں[2]

(آپ کی تعریف)

بہ ظاہر انداز بیان طربیہ ہے لیکن یہ طنز غریب مدرس پر نہیں، اس ماحول پر ہے جو اس کے حال زار کا ذمہ دار ہے مدرس کا خاکہ ایسے معروضی انداز میں کھینچا گیا ہے کہ شاعر کے دل کی گہری ہمدردی تیکھے لہجے کی اوٹ میں جا چھپی ہے اور نظم خطیبانہ ہونے سے بچ گئی ہے۔

شاد کی نظموں سے انکی سماجی بصیرت اور انسان دوستی کی ایسی سیکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ «ابھی جمل پور جل رہا ہے» جیسی معرکۃ الآرا نظم مظلوموں کی ہمدردی سے سر تا پا شرابور ہے دوسری نظموں میں بھی کہیں کنائے، استعارے اور اشارے سے، کہیں علامات کے پردے میں اور کہیں کھل کر ناداروں اور بیکسوں کی حمایت کی گئی ہے۔

۱　شوخی تحریر ـ شاد عارفی (ص ٦٦)
۲　سفینہ چاہیئے ـ شاد عارفی (ص ۲۲)

غلیظ کپڑوں میں دق کے مارے یہ 'پھول بارے' اٹھانے والے
غموں کی زردی کی وجہ سے جن کے رنگ گورے رہے نہ کالے[1]

(حمیر)

قریب الموت بیکس زخمیوں کی کون سنتا ہے
کراہوں پر نہ کوئی دھیان دیتا ہے نہ 'چنتا' ہے
یہ پانی کے لئے مضطر، وہ اپنی جان دھنتا ہے[2]

(جنگِ زرگری)

طبیعت سرمایہ داراں، مال کی تائید میں
مفلسوں کی زندگانی موت کی اُمید میں
عید کے شامل محرم ہے، محرم عید میں[3]

(دیکھنے والا ہو تو...)

یہ ہمارے بھائی، وہ دہقان ہیں ہم پہ جن کے سیکڑوں احسان ہیں
کھو چکی ان کی طمانیت حواس روح میں فکر، بقایا، جانیں ناس
رہی فاقہ ان کی سعیٔ ہست و بود کھا چکا کھیتوں کی پیداوار، سود
لانہایت، سربرہ کاروں کی تمسد اور ان کے بعد پٹواری کی رد[4]

(شکاری ماہی)

طمنچہ سے ڈرانا چاہتے ہو تم تو میں ہاری
ہوس کے سامنے انسان کی جانی ہے مت ماری
تمہیں کچھ سوجھتا بھی ہے مرا جمپر، مری ساری[5]

(مہترانی)

---

۱ شعر و عزالدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۲۰)
۲ شعر و عزالدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۳۴)
۳ شعر و عزالدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۵۹)
۴ سفینہ چاہیئے ۔ شاد عارفی (ص ٦١)
۵ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ٦٢)

عید نے آکے غریبی کا بھرم کھول دیا،
ساغر عیش نہیں مغز میں، غم گھول دیا،
"میرا روزہ ہے،" نہ کہہ پائے گا بھوکا کوئی،
چھپ سکا ہے رخ حالات پہ تھوکا، کوئی[1]

(یہ عادت، یہ رسوم)

مندرجہ بالا اقتباسات سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ شاد عارفی کی طنز خواہ کتنی ہی کٹیلی اور زہرناک ہو، اس کا مقصد صحت مند معاشرے کی تشکیل اور مریض عناصر کی کاٹ چھانٹ ہے۔ ان کی طنز میں نظم وضبط اور سلیقۂ اظہار کی کمی نہیں ہے۔

شاد کی طنزیہ نظمیں تمہید سے ہی، خیال کو مربوط رکھتے ہوئے تیراندازی کا جواز تلاش کرتی ہیں اور خیال فاتحانہ انداز میں نقطۂ عروج تک پہنچ کر بھرپور تاثر پیدا کرتا ہوا انوکھے طریقے پر اختتام سے جاملتا ہے۔ منٹو کے افسانوں کی طرح شاد کی نظموں کے خاتمے بھی بےحد فنکارانہ ندرت اور ڈرامائی کیفیات کے حامل ہوتے ہیں مثلاً عہ

"رنگیلے راجا کی موت" میں —

"سنبھل جاؤ اے بدمعاشو! اٹھا میں"

جیسے تاؤ بار مصرع کے فوراً بعد نظم اس مصرع پر ختم ہوجاتی ہے -

"گھٹا دم گھٹا، ہائے لینا- چلا میں!"[2]

"شادی سے پہلے" کا خاتمہ ان دو مصرعوں پر ہوتا ہے —

اب نہ دانی سے تعلق ہے نہ رسوائی سے
یہ دوائیں- مثلاً روک دو مت، ہونے دو![3]

"سالی" کے اختتامیہ مصرعے

۱　سفینہ چاہیئے - شاد عارفی (ص ۴۴)
۲　شوخیٔ تحریر - شاد عارفی (ص ۳۹)
۳　شوخیٔ تحریر - شاد عارفی (ص ۴۲)

نام پر جا کے ذرا دیر ہوا کھا آؤں
اور پھر پیٹ کا ہلکا نہیں - کمرہ خالی ا[1]

« نوکرانی » کا انجام -

ابھی نکل جا ، کا حکم پانے ہی اپنا بستر اُٹھا چکی ہے[2]

نظم میں افسانوی طرز کے خاتموں کے لئے جس جو پہلو ہی دسترس کی ضرورت ہوتی ہے ، شاد سے ہٹ کر دوسرے نظم گویوں کے ہاں اس کی مثالیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں ۔

شاد عارفی کی نظمیں براہ راست اور خطیبانہ انداز میں برائیوں کے انسداد کی تبلیغ بہت کم کرتی ہیں لیکن ادبیت میں ملفوف ان کی سماجی مقصدیت نظم کے کسی نہ کسی حصّے میں ضرور پوشیدہ ہوتی ہے اور چپکے سے قاری کے دل میں اُتر جاتی ہے ۔ اس غیر محسوس ادادبیت اور مقصدیت کے کچھ نمونے پیش خدمت ہیں

دیسی چھ بچوں کا باوا ، پاتا ہے پندرہ ہر ماہ
مغرب زادے ناجھ نکھٹوؤں کو بارہ سو کی تنخواہ[3]

(شادی کے بعد)

شادی پر صرف بیجا کا نتیجہ ۔ -

ڈیڑھ سو کی آمد میں کب ہے دم درود اتنا
بل فلاں فلاں اتنے ، گھر بچں کا سُود اتنا
ختم رہن کی مدت ، صرف بست وبود اتنا
تار تار گھر بھر کا لاؤ ، بیچ آتا ہوں[4]

(بیٹے کی شادی)

قومی یکجہتی :-

---

۱ شوخیِ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۵۰)
۲ شوخیِ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ٦٧)
۳ شوخیِ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۳۳)
۴ اندھیر نگری ۔ شاد عارفی (ص ۱۷)

مگر ہم ایسے کسی بھی فرقے کو زندگانی کا حق نہ دیں گے
زبان وصوبہ کے احتجاجوں کو مہربانی کا حق نہ دیں گے
وہ داؤں ناکامیاب ہوگا جو ان صداؤں پہ چل رہا ہے
ابھی حلپُور جل رہا ہے[1]

(ابھی حلپور . . .)

صنف نازک کی حد اعتدال سے بڑی ہوئی آزادروی پر تنبیہ :-

کسی عورت کو آزادی کا حیلہ سرا دار یقیں ہوتا نہیں ہے
کہ نازک جنس اور پردے وسیلہ روش مغرب کی مار آستیں ہے[2]

(ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے)

مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ترغیب :-

منزل کی جانب جاری رہ ، جو پیش آئے وہ صدمہ سہہ
پستی میں بہنا پانی بن ، رفعت پر برق ہمالہ بن[3]

(سبق)

غیرت کو اشتعال :-

ریزہ چین خوان ینعمائے زوال حلوہ ہے دُور ہو یا شیرمال
دوسروں کے ہاتھ پر شکرہ نہ پال لقمۂ تر ہے امین انفعال
جو کی روٹی کھا مگر آزاد رہ[4]

(حُریّت)

---

۱ نثر و غزلدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۱۴)
۲ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (۱۳۰)
۳ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۱۳۹)
۴ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۷۵)

غلط سمتوں میں ترقی پر تنقید :-

نمائش نہیں بلکہ پتھروں کا بن یہ کستوریہ، یہ چکلوہ پتھرن
کدھر چوکڑی بھر رہا ہے وطن ترقی، مگر باعث سوئے ظن[1]

(نمائش نمبر ۲)

نظموں میں شاد کی طنز چونکھی اور پہلو دار ہے اپنی طرفگی، پیچیدگی، علامتی پیرائے، رمز و کنایہ کے استعمال اور اشاریاتی انداز کی وجہ سے ہر بند بلکہ ہر مصرع اور لفظ میں بہت سی شاخیں نکل آتی ہیں اور اس طرح طنز کے کئی کئی تیر، جن میں سے ہر ایک بہت سے پیکانوں کا حامل ہوتا ہے، ان کی نظمیں بیک وقت چلاتی ہیں اور عمومی شان ان تیروں کو ایسی ایسی جگہوں پر چسپاں کرتی ہے کہ عقل حیران رہ جائے۔ یوں تو شاید ہی کوئی سماجی مسئلہ ایسا ہو جس کے تاریک گوشے پر شاد نے دمادم طنز نہ کی ہو لیکن جنسی بے راہ روی پر اُن کی نگاہ فوراً جاتی ہے اور وہ بہ طور خاص اُسے اپنا نشانہ بناتے ہیں۔ اُن کی طنزیہ نظموں میں تقریباً ایک تہائی ایسی ہیں جن میں یا تو براہ راست اس خامی پر طنز کی گئی ہے یا دوسرے مسائل کے ساتھ اسے بھی ہدف ملامت بنایا گیا ہے۔ اس جانب اُن کی خصوصی توجہ کے بناء پر، ایسے اصحاب جو تنقید کے نفسیاتی دبستان سے تعلق رکھتے ہیں، اس گمان میں مبتلا ہوسکتے ہیں کہ شاد عارفی چونکہ عملی زندگی میں جنسی لذتوں سے فیضیاب نہیں ہوسکے اس لئے ان کی یہ تشنگی معاشرے میں پھیلی ہوئی جنسی بے راہ روی پر طنز کے روپ میں اپنی تسکین کا سامان پیدا کرلیتی ہے۔ اس پہلو پر غور کرتے ہوئے مظفر حنفی نے ایک جگہ لکھا ہے —

«ان کی اصل مشکل انکی محرومی ہے، اس لئے جنسی تعلقات یا فعل کی تفصیل جہاں انکے کلام میں آتی ہے، چٹخارے کا واضح عنصر اُبھر کے سامنے آجاتا ہے»[2]

---

۱ شوخئ تحریر - شاد عارفی (ص ۹۴)

۲ شاد عارفی، ایک مطالعہ — مظفر حنفی (ماہنامہ «آجکل» دہلی، فروری ۱۹۷۱ء ص ۲۱)

ملراج کومل کی اس بات سے کسی حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ شاد کی نظموں میں کہیں کہیں واقعتاً یہ کیفیت نظر آتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے لگتا ہے جیسے نظم کا ایک آدھ بند برائے لذت اندوزیٔ حس ہی کہا گیا ہے ۔ مثلاً ۔

کچھ رفتاریں بیڈھنگی سی ، بے قابوسی اڑدھنگی سی
پنڈلی کے پچھلے حصے پر کچھ کھلتی سی کچھ ننگی سی
کچھ سینے گیڈے کی ڈھالیں، سینے پرر گھی » کی بالیں
دوڑیں جھپٹیں، پکڑیں، پھیسکیں، ٹھکرائیں اور ٹھو کر کھالیں [1]

(نمائش نمبر ۱)

لگا کر مجھکو باتوں میں نہ ڈالو ہاتھ سینے پر
کہاں تک پنجۂ فولاد مارک آگینے پر
جو ڈاکہ ڈال کر ہی جائے لعنت ایسے جینے پر [2] (مہترانی)

ہونٹ دانتوں میں دبا کر آنکھ دے کر بار بار
چاہتی تھی مجھ سے تنہائی میں قُربت ناگوار
تیر بوسوں کے لئے پیاسے ارادے بیقرار
لمس حظ افزا سے شدت خواہ سینے کا اُبھار [3]

(عمارہ)

لکھپتی ہیں آپ ، ملئے آپ سے

کام چالو ہے کرائے مال کا آسرا گویا ہے ہر ایک دلال کا
ناک، نقشہ، قد، کمر، کولھے، اُٹھان آنکھ، پلکیں، ہونٹ، باہیں، پیٹ، ران
بھیڑ بکری کی طرح عورت کا مول ہشت ! اتنی عمر اور پنھوں پہ جھول
بھانپئے کردار ممہ کی بھاپ سے لکھپتی ہیں آپ ، ملئے آپ سے [4]

(آپ کی تعریف)

---

۱ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۹۲)
۲ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۶۲)
۳ اندھیر نگری ۔ شاد عارفی (ص ۱۰۳)
۴ سفینہ چاہئے ۔ شاد عارفی (ص ۲۱)

ایسی ہی کچھ نظموں کا تجزیہ کر کے میراجی بھی شاد عارفی کے بارے میں اسی نتیجے پر پہنچے تھے جو ملراج کومل نے اخذ کیا ہے[1] یہ بات قرین قیاس بھی ہے لیکن اس امر سے انکار کرنا ناممکن ہوگا کہ شاد کی نظموں کا یہ پہلو بھی مقصدیت کا حامل ہے انھوں نے اپنی جنسی گھٹن اور تلخ محرومیوں کی نکاس کو ایک صحتمند موڑ دیا ہے ہر چند کہ اُن کے ہاں فحش تخیّل بھی مل جاتا ہے لیکن اس میں سے لذتیت کو علحدہ کر کے صرف تعمیری طنز کرنا اور فحش معاملات پر ادبی پردہ ڈال کر بیان کو ابتذال سے بچالے جانا اُن کا خاص انداز ہے

بقول سلیم الرحمٰن -

«شاد عارفی لگی لپٹی کے قائل نہیں. جب وہ کسی کی تشہیر پر اُتر آتے ہیں تو اسے بے نقاب کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس کا ایک ایک کپڑا اُتار ڈالتے ہیں اور پھر بڑی رغبت کے ساتھ اُسے چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں وہ چیزوں اور انسانوں کو اس طرح ننگا نہیں کرتے کہ ہم سب اُن پر ہنس سکیں بلکہ اُن کی برہنگی اکثر یہی احساس دلاتی ہے کہ شاید یہ ہم خود ہی ہیں جو کسی آئینے میں اپنے آپ سے دو چار ہیں شاد عارفی کا یہی کمال ہے کہ انھوں نے ہم سب کو ہماری ریاکاری ، بدچلنی اور خود غرضی سمیت بے پردہ کر دیا ہے.»[2]

طنزیہ نظموں کے ایسے مقامات کا موازنہ جب شاد کی عشقیہ نظموں سے کیا جاتا ہے تو یہ بات کُھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ حقیقی محبت کے قائل ہیں اور اخلاقی حدود میں وہ کر چُھیڑ چھاڑ تک تو گوارا کر سکتے ہیں لیکن جنس مخالف کے ساتھ غیر ازدواجی تعلقات اُنھیں ایک آنکھ نہیں بھاتے نہ ہی حسن لطیف کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی اُنھیں پسند آتی ہے ایک جگہ انٹرویو دیتے ہوئے اُنھوں نے کہا ہے :-

«محبت میں حماقت اور گندگی شامل نہیں ہونا چاہیئے محبوبہ کے ہاتھ چومنے تک معاملہ رہے تو محبت کی پاکیزگی میں فرق نہیں آتا. بوسہ بہ ظاہر کوئی بھاری

---

۱ اس نظم میں - میراجی

۲ اندھیر نگری - شاد عارفی (ملیب ۱)

لغزش نہیں مگر میں احترام حُسن اور محبت کی پاکیزگی کے تحت اسے بھی روا نہیں سمجھتا کیونکہ اس کے بعد لے آگے بڑھتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی بھی نشہ ایک ہفتہ بعد ایک مقدار سے نہیں رہ سکتا۔ یوں ہی بوسہ کے بعد خواہشات حیوانی آگے بڑھتی ہیں۔[1]

موجودہ ترقی یافتہ دور میں شاید یہ بات اُنہیں قدامت پرست ثابت کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اُن کی پرورش و پرداخت جس مذہبی ماحول میں ہوئی اس پس منظر کو، اور رامپور ریاست کی اس فضا کو ذہن میں رکھا جائے جہاں اعلیٰ طبقہ جنسی غلاظتوں کی دلدل میں گلے گلے تک دھنسا ہوا تھا اور بے پردہ عورتوں کی عصمتیں قطعاً غیر محفوظ تھیں، تو شاد کا یہ محتاط انداز کچھ اتنا قابل اعتراض بھی نہیں معلوم ہوتا بہر حال وہ روشن خیالی اور وسیع النظری کی اس سرحد تک کبھی نہیں پہنچے جہاں سے برناڈ شا نے جنسی تعلق کے لئے شادی کو غیر ضروری قرار دیا تھا بڑی بات یہ کہ وہ خود بھی قول وعمل کے تضاد میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے۔ انہوں نے جن اخلاقی قدروں کی پامالی پر آگے چل کر اپنی طنزیہ نظموں میں غم وغصہ کا اظہار کیا اُن پر اپنی عشقیہ غزلوں اور نظموں کے عہد شباب میں خود عمل پیرا رہ چکے تھے جنسی معاملات کی تفصیل میں جانے کے لئے شاد عارفی کو مجرم گرداننے سے قبل ہمیں یہ بھی مدنظر رکھنا ہے کہ «انگارے» کی اشاعت کے وقت اور اس کے بعد سے ہمارے شعر وادب کی دنیا میں پہلی بار اس موضوع پر کھل کر لکھنے کی روش عام ہوئی تھی۔ منٹو، حسن عسکری اور عصمت چغتائی وغیرہ افسانوں میں اس روش کے علمبردار تھے اور ن۔م۔ راشد، میراجی، شاد عارفی وغیرہ نظموں میں لیکن جہاں تک خالص لذتیت سے دامن کشاں رہ کر جنسی بے راہ رویوں کے بیان سے اصلاح معاشرہ کی جانب توجہ مبذول کرنے کا سوال ہے، نثر میں منٹو اور نظم میں شاد عارفی ہی اس فرض سے کما حقہ عہدہ برآ ہوسکے۔

جنس کے بعد شاد عارفی کا دوسرا محبوب موضوع اُن ناہمواریوں کا ذکر ہے جو ہمارے 'بیچ کے گھروں' میں پیچیدگیاں اور اُلجھنیں بڑھاتی رہتی ہیں ڈاکٹر

---

۱ شاد عارفی ایک انٹرویو ۔ سلطان اشرف (ہفت روزہ «نصرت» لاہور، ۱۲ نومبر ۱۹۶۱ع ص ۱۴)

وزیر آغا لکھتے ہیں :-

"آج تک ہمارے شعراء مغرب کے مسموم اثرات کو نشانۂ طنز بناتے آئے تھے اور اگرچہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ باعث ننگ باتیں اور زندگی کے دوسرے حقائق بھی ان کے طنزیہ حملوں کی زد میں آئے تاہم اس طنز کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہ ہوسکا اور اسی لئے جب دور جدید کے شعراء نے زندگی اور سماج کے چھپے ہوئے ناسوروں پر تیر نشتر لگانے کا آغاز کیا تو ان کی چبھن کو بڑی سختی سے محسوس کیا گیا اس ضمن میں شاد عارفی . . . کی بعض نظمیں قابل ذکر ہیں کہ ان میں زندگی اور سماج کی بیشتر مریضانہ کیفیتوں اور پنہاں ناہمواریوں کو ہدف طنز بنایا گیا ہے۔ شاد عارفی کی بیشتر نظمیں سماج کے مرکز (گھر) کی بعض ناہمواریوں کو اجاگر کرتی ہیں —"[1]

"بیٹے کی شادی"، "شادی سے پہلے"، "شادی کے بعد"، "سالی" "نصف بہتر" "مشورہ" "مہترانی" "ملازمہ" "زن مرید شوہر" "التواء سے احتراز تک" "مگر عورت کا دل کتنا" "یہ عادت یہ رسوم" "ساس اور بہو" "رت جگا" "رسمی قید جانے" "شریف لڑکی" "ساس" "پرانے کوٹ" "بیوہ" "عورت" "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" وغیرہ شاد عارفی کی ایسی ہی نظمیں ہیں جو "گھر" کے آس پاس گھوم کر اس کی ناہمواریوں کا جائزہ لیتی ہیں یہ موضوع اردو شاعری میں اتنی وضاحت اور اہمیت کے ساتھ پہلی بار شاد عارفی کی نظموں میں برتا گیا ہے اور اس طرح، کہ اس کا حق ادا ہوگیا۔ میاں بیوی کے درمیان ہونے والی باتوں اور خانگی الجھنوں کا ذکر، ساس اور بہو کے بیچ کھٹ پٹ، ہمسایوں کی غیبت، رشتہ داروں کی ریاکاری، چھوٹی چھوٹی باتوں کا پہاڑ بنالیا جانا، پڑوسنوں کی بات چیت اور حاشیہ آرائیاں، بیٹی بیٹوں کی شادیاں، عورتوں کا مخصوص انداز گفتگو، رت جگے، رسموں کی ادائیگی، تیوہاروں کے مواقع پر پیش آنے والی گھریلو پریشانیاں، جوان لڑکیوں کے لئے بر کی تلاش میں والدین کی شب بیداریاں، بیماریوں کا ذکر، کپڑے لتے، دوائیں اور آٹا دال کی فراہمی میں دقت، افراد کنبہ کی الجھنیں اور اُن کی ایک دوسرے سے بدگمانیاں، بچوں کی تعلیم میں پیش آنے والی مشکلات، گرانی کا عام گھرانوں

---

[1] اردو ادب میں طنز ومزاح ۔ ڈاکٹر وزیر آغا (ہندوستانی ایڈیشن ص ۱۴۷)

پر اثر اور دنیا بھر کے وہ چھوٹے چھوٹے مسائل جو عام گرہستیوں میں آئے دن سر اُبھارتے رہتے ہیں اور ہماری گھریلو زندگی جن کا محور ہوتی ہے، ان نظموں میں شاد کے مخصوص طرز کے ساتھ زیر بحث آئے ہیں ۔

موضوعات کی عمومیت اور چھوٹے چھوٹے مسائل کو شعری زبان عطا کرنے سے شاد کی نظم میں ایک انفرادی رنگ پیدا ہوگیا ہے جس میں نہ گہری داخلیت اُسے عیرافادی بناتی ہے نہ کوری بیانیہ نظموں کا سا خارجی سپاٹ پن جگہ پاتا ہے بلکہ نکیلی داخلیت اور شگفتہ خارجیت کا ایک بہت ہی دلکش امتزاج ان نظموں سے جھلکتا ہے ۔ ان گھریلو نظموں کی مانوس فضا، شاد کا منفرد، طنزیہ دائرہ در دائرہ استعاراتی اسلوب، کرداروں کے اپنے اپنے لہجے، ان کی مخصوص زبان، نفسیات کی عکاسی، بات چیت انداز بیان، ڈرامائیت اور افسانوی رنگ وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے یہ نظمیں الگ پہچان میں آجاتی ہیں ۔

عـــرش ملسیانی لکھتے ہیں کہ

« شاد عارفی اس عہد کے سب سے بڑے طنز نگار ہوئے ہیں۔ اُن کا طنز ادب وسیاست دونوں کو ہدف ملامت بناتا ہے ۔ زندگی کی ناکامیوں ، تلخیوں ، نامرادیوں ، توہم پرستیوں پر اس طنز نگارنے وہ وار کیے ہیں کہ نایدوشاید اس کا لہجہ اپنا ہے ، انداز اپنا ہے ۔ وہ یگانہ کی طرح اجتہاد کرتا ہے اور نادرہ کار ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں اس شاعر کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔»[1]

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے ، شـاد کی نظمـوں کی ایک خصوصیت اُنکی ڈرامائیت ہے ۔ ڈرامائی کیفیت ، کہانی پن ، شش و پنج (Suspense) مکالماتی طرز اور متحیرکن اختتام کو مکمل طور پر واضح کرنے کے لئے بجائے مختلف نظموں کے اقتسابات پیش کرنے کے ، انکی ایک ہی نظم « شوفر » کو از اول تا آخـــر دیکھا جائے اور اس طرح دیکھا جائے کہ تشریح ووضاحت کی جگہ ، الفاظ کی نشست کو چھیڑے بغیر ، صرف نظم کے مصرعوں کو توڑکر مکالموں کے مطابق مرتب کر دیا جائے نظم کی بحر « فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع » ٹیپ کے مصـرع کی ردیف نہیں اور قافیہ، ، کام ، ، نام ، وغیرہ ہیں، اس لئے مصرعے اصل نظم میں جس

---

[1] اردو کی مزاحیہ شاعری ۔ عرش ملسیانی (ص ١٩ ۔ ١٨)

طرح واقع ہوئے ہیں۔ ان کی نشاندہی از خود ہوجائے گی۔ واوین کے درمیان جو جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے اُسے پڑھنے والے کا ذہن مانو لاگ کی طرح سیاق وسباق کی بازگشت میں آپ ہی پُر کر لیتا ہے ۔

شــوهــر

کھٹ ۔ کھٹ !

« کون —— ؟ »

« صبیحہ —— ! »

« کیسے —— ؟ »

« یونہی —— کوئی کام نہیں »

. . . . . .

« پچھلی رات ، بھیانک گیدیھ . . . کیا کچھ ہو انجام ؟ . . . نہیں !! »

« . . . . میرا دمہ ! میں آئی ہوں تم پر کچھ الزام نہیں ۔ ہم ہیں اس اخلاق کے پیرو ، ہم ہیں اس تہذیب کے لوگ ، جس میں عفت اک مفروضہ ، عصمت جس میں ذہنی روگ ، حدبوں پر پہرے بٹھلانا کیا سودائے خام نہیں ؟ »

« دو بچوں کے باپ . . . »

« تو کیا ہے ؟ دل کا ہو انسان حیوان ، تم بھی ایسے بن جاؤنا ! جیسے منجھلے بھائی جان ، سالی اور سہلج پر لٹو ، بیوی سے حمام نہیں »

« . . . . . ؟ »

« ان سے وہ تہذیب میں اونچی چھوٹے بھائی سے وقتی چاہ ۔ شوہر آئے نہ آئے لیکن دیور کی تکتی ہے راہ ۔ خواہش کی تکمیل بھی جاری ، شادی بھی ناکام نہیں »

« نوکر اور نمک اور مذہب . . »

« ان تاویلوں سے باز آؤ ۔ مردوں کی ایسی نیکی پر آجاتا ہے مجھ کو تاؤ »

« . . . . »

« عورت کے ہونٹوں پر لیکن مقبول علم نہیں »

« . . . . »

« ہفتہ بھر میں اک دن ایسی لغزش کوئی عیب نہیں۔ »

« . . . . ؟ »

« ظاہر ہے۔ پاپا مامی کو حاصل علم غیب نہیں۔ کالی راتوں کی باتوں سے واقف صبح و شام نہیں »

« . . . . »

« جانتی ہوں »

« . . . . ؟ »

« گھبراتے کیوں ہو؟ کیا اندھیاری گھور نہیں ؟ »

« . . . . ؟ »

« دو دل راضی، کے بارے میں قاضی کا کچھ زور نہیں۔ »

« . . . . »

« او یہ دس کا نوٹ »

« . . . . ؟؟؟ »

« تمہاری اُجرت ہے۔ انعام نہیں !!! »

دیکھئے مکالمہ میں ہی پوری نظم کی ابتداء، نقطۂ عروج اور اختتام کی منزلیں طے ہوگئیں اور نظم کے اختتام نے افسانے کی طرح چونکایا بھی۔ اب نظم کے صرف ابتدائی دو مندرجہ ذیل مصرعے :-

(کھٹ کھٹ، کون، صبیحہ، کیسے، یونہی کوئی کام نہیں
پچھلی رات بھیانک گیریح، کیا کچھ ہو انجام — نہیں)

کو قوسین میں رکھکر صبیحہ کی جانب سے مندرجہ ذیل ڈائیلاگ ملاحظ فرمائیے۔
میرا ذمہ میں آئی ہوں تم پر کچھ الزام نہیں، ہم ہیں اس اخلاق کے پیرو، ہم ہیں اس تہذیب کے لوگ، جس میں عفت اک مفـــروضـہ، عصمت جس میں ذہنی روگ، جذبوں پر پہرے بٹھلانا کیا سودائے خام نہیں؟ دو بچوں کے باپ، تو کیا ہے دل کا ہو انسان جوان۔ تم بھی ایسے بن جاؤنا! جیسے منجھلے بھائی جان، سالی اور سانجھ پر لٹو، بیوی سے حمام نہیں۔ ان سے وہ تہذیب میں اونچی، چھوٹے بھائی سے وقتی چاہ، شوہر آئے نہ آئے لیکن دیور کی تکتی ہیں راہ، خواہش کی

تکمیل بھی جاری شادی بھی ناکام نہیں۔ نوکر اور نمک اور منصب ان ناولوں سے بار آؤ۔ مردوں کی ایسی نیکی پر آجاتا ہے جھکو تاؤ۔ عورت کے ہونٹوں پر اچھے لب مقبول عام نہیں، ہفتہ بھر میں اک دن ایسی لغزش کوئی عیب نہیں، ظاہر ہے بابا مامی کو حاصل علم عیب نہیں، کالی راتوں کی باتوں سے واقف صبح و شام نہیں جاتی ہوں گھبراتے کیوں ہو؟ کیا اندھیاری گھور نہیں، دو دل راضی کے بارے میں قاضی کا کچھ زور نہیں، لو یہ دس کا نوٹ، تمہاری اُجرت ہے انعام نہیں اے[1]

پوری نظم ایک مانو لاگ کی شکل اختیار کر گئی۔ یہ ہے وہ ندرت ادا جو نظم کو نظم رکھتے ہوئے افسانہ اور ڈرامہ کی خوبیوں سے بھی متصف کرتی ہے شاد عارفی کی تمام شاعری اس زاویے سے دیکھی جائیے۔ ہر نظم اپنی جگہ کوئی واقعہ کوئی داستان اور کوئی افسانہ سنائے گی اور کسی نہ کسی ڈرامائی اسلوب کے ساتھ سنائے گی۔ ان خصوصیات کے باوصف ہر نظم اپنی جگہ شعریت سے لبریز ہوگی ٹی ایس ایلیٹ شعر میں ان اوصاف کو بڑا درجہ دیتا ہے خود شاد عارفی کو احساس تھا کہ ان کے اس انداز کی تفہیم وتشریح عام نقادوں کے بس کی نہیں۔ کرشن چندر کے بارے میں مشہور ہے کہ نثر میں شاعری کرتے ہیں۔ نظموں میں افسانہ اور ڈرامہ ہمارے ہاں شاد کے کلام میں ملتا ہے۔ چونکہ ان کے ہاں مختلف طبقوں کے کردار ہیں اس لئے ان کی لفظیات بھی مختلف ہیں۔ ان کی اسی خصوصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے سلام مچھلی شہری نے لکھا ہے :-

«مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان نظموں کی ڈرامائی ایکٹنگ تھی کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہوا گویا یہ نظمیں ایک طویل ڈرامے کے مختلف مناظر ہوں ان مناظر میں ایک طرح کی داخلی وحدت ہے »[2]

بلاغت کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ گفتگو موقع و محل کے اعتبار سے موافق *لہجے میں کی جائے اور کرداروں کی زبان سے اُس کی ادائیگی فطری* معلوم ہو، تقریباً ہر شاعر اور ادیب اس نکتے سے واقف ہوتا ہے لیکن اس پر عمل درآمد کے لحاظ سے شاد جیسے بلیغ کم نظر آئیں گے۔ چند مثالیں دیکھئے:-

---

۱ اندھیر نگری - شاد عارفی (ص ۲۶-۲۵)

۲ ایسے لوگ کہاں - سلام مچھلی شہری («ایک تنہا شاعر» مرتبہ مظفر حنفی ص ۸۷)

جوان بیٹی کی شادی کے سلسلے میں فکر مند ماں جھنجھلاتے ہوئے انداز میں اپنے شوہر سے مشورہ کرتی ہے ؂

جانتی ہوں سہرے کے پھول آپ کھلتے ہیں
اور بر رسالے میں بن تلاش ملتے ہیں
کاہلی کی مسند سے باپ بھی تو ہلتے ہیں
گھر پہ آکے قسمت کیوں دے صدا کہ حاضر ہوں[1]

(مشورہ)

پہلے دو مصرعوں میں شوہر کی آواز کی بازگشت کیسا تھا۔ بیوی کی آواز اُبھرتی ہے پھر کاہلی کی مسند کانٹوں کا ڈھیر بن جاتی ہے اور قسمت گھر پر حاضر ہوکر صدا دینے سے انکار کر دیتی ہے، گھر کی فضا پر فکر کے سائے ڈولنے لگتے ہیں اور یہ سب کچھ ایک عورت کے خاص لہجے میں کہے ہوئے چند جملوں نے کیا ہے، شاد نے اپنی طرف سے کچھ بھی بیان نہیں کیا۔ اسی طرح ؂

چھ ہزار تخمینہ کم سے کم چڑھاوے کا
روگ اور کیا لا دیں و ہم چڑھاوے کا
" اے شعیب کی امی! کون غم چڑھاوے کا
باغ و قطعہ آراضی جاکے رہن رکھتا ہوں "[2]

(بیٹے کی شادی)

چڑھاوے کی خونخوار رسم پر طنز، شعیب کی امی کی تشویش، میاں کی طرز شاہی اور یہ اتنا بڑا دریا کل چار مصرعوں میں سما گیا۔

یہ کمرہ دیکھ تیری نوجوانی کی طرح میلا
قدم لیتا ہے اُٹھ اُٹھ کر غبار گیسوئے لیلیٰ
چلی آ بیدھڑک اندر، حیا کے پاؤں مت پھیلا[3]

(مہترانی)

---

۱ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۶۹)
۲ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۳۱)
۳ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۶۰)

میلی کچیلی ایک نوجوان مہترانی کمرے کی گندگی میں اضافے کے لئے حیا کیے پاؤں سمیٹ کر اندر آنے پر مجبور کی جارہی ہے معاملہ بوالہوس کے عشق کا ہے چنانچہ عیار گیسوئے لیلیٰ بھی اُٹھ اُٹھ کر قدم لے رہا ہے ، حکیم صاحب بہادر کا ہے لہذا لہجہ چنگیز خانی ہونا چاہئیے تھا .

ادھر منہ پھیر لو اندھے کہارو　بس ڈولے سے دولھن کو اتارو
ملے گا سب کو حق چیخیں نہ مارو[1]

(ساس اور بہو)

شادی کا عل غپ ، ساس کی حکمراں طبیعت اور چڑ چڑے مزاج کی عیاری اور نئی دلہن کے لئے پیار ، رسوم اور حقوق کے مطالبات ، کیسے کیسے مختلف النوع احساسات چھوٹے سے بند میں کلملا رہے ہیں .

چار کے چھ بجنے والے ہیں ، چل کاو اسٹارٹ تو کر
موٹے آدھا رونڈ لگا کر ہانپ گیا پٹ ، دیکھو ادھر
لے یہ دو ، یہ دس ، یہ بارہ ، ہائیں ! کھٹ کھٹ گر گر
ہنستا کیا ہے ، شرط رہی کچھ ، ختم نہ ہو پٹرول اگر
احمق ہیں جو پیسے پھینکیں گھٹیا کار ، وریٹر پر[2]

(دیہاتی لاری)

نظم کا عنوان نہ بھی معلوم ہو تو راؤنڈ کو « رونڈ » کہنے والے ، « موٹے » اور « کلّو » کہہ کر مخاطب کرنے والے دیہاتی موٹر ڈرائیور کا لہجہ خود اپنا تعارف کراتا ہے پھر صوتی آہنگ اور لاری سے متعلقہ اُمور پر دلچسپ بحث توجہ کو اپنی طرف الگ کھینچتے ہیں : -

« بٹھا لیا ہے کرم خان نے اپنی بیٹی کو »　« کرے بھی کیا بچارا وہ حسم کی بیٹی کو »
« نہیں ہے موت یہ اس بورنیے سمیٹی کو »　« یہ کس نے ہاتھ لگایا تھا میری بیٹی کو »
« بری لاگ ہے یہ پھندو کی سر چپیٹی کو »[3]

(رت جگا)

۱　نثر وعر لدستہ - شاد عارفی (ص ۲۴۳)
۲　سفینہ چاہیئے - شاد عارفی (ص ۵۱)
۳　سفینہ چاہیئے - شاد عارفی (ص ۵۶)

رت جگے کے موقع پر دیا بھر کی باتیں عورتوں میں زیر بحث ہیں۔ "گھر بٹھا لینا"، "جنم کی بیٹی"، "موت نہیں ہے"، "بورنیے سمیٹی"، "بیٹی"، "لاگ"، "سر چپیٹی" — معلوم ہوتا ہے شاد کے ہاتھ میں قلم نہیں کوئی بولتی ہوئی جہاندیدہ عورت ہے :-

موئے برلے کو میں اُبٹوکا لگاؤں بوا عیدن سے اطریفل منگالے
وہ جب تک جائیں آئیں، میں بتاؤں پہنچ کر چھت پہ کنکوّا اُڑالے[1]
(ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے)

پہلا مصرع تیکھا ہے لیکن بوڑھی ممتا میں ڈوبا ہوا، پورا بند برلے میں مبتلا بیٹے کو چمکار رہا ہے۔

"ہاتھی کان گلا ہے جس کا استر ادھڑا دامن کھسکا"
"آخر تم کیا دے گا اس کا؟"[2]
(پرانے کوٹ)

پہلے دو مصرعے گاہک کی نہایت مراحی اور چالاک خریدار ہونے کا ثبوت اور تیسرا چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ کباڑی کوئی خان صاحب ہیں۔ کہاں تک مثالیں پیش کی جائیں کہ ہر نظم میں قدم قدم پر یہ جواہر ریزے بکھرے ہوئے ہیں۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے سچ کہا ہے '—

"شاد عارفی نے اپنی نظموں میں بیانیہ پیرایہ اختیار کرنے کے بجائے ڈرامائی مکالماتی اور تمثیلی انداز اختیار کیا ہے۔ بعض نظمیں مختصر افسانے کی تکنیک میں لکھی گئی ہیں۔ ان نظموں میں شاد نے اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے کسی نہ کسی کردار کو پیش کردیا ہے اور اس کی تصویر، اس کے عمل اور اس کی گفتگو کے ذریعے اُبھارنے کی کوشش کی ہے۔ بعض اوقات ایک ہی نظم میں کئی کئی کردار عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو انہوں نے یہ کمال کیا ہے کہ ایک ہی مصرع کے اندر دو دو اور تین تین کرداروں کے مکالمے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ غالباً اسی لئے واوین (انورٹڈ کامار) کا استعمال جتنا شاد عارفی

---

۱ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۱۲۸)
۲ شوخیٔ تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۷۹)

سے اپنی نظموں میں کیا ہے اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی ۔ ٹی ۔ ایس ۔ ایلیٹ نے شاعری کی تین آوازوں کا ذکر کیا ہے ۔ ان تینوں آوازوں کا ایک ہی نظم میں اجتماع بہت ہی مشکل کام ہے ۔ شاد نے اردو نظم میں یہ کام بھی کر دکھایا ہے "[1]

ان نظموں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ان میں اُس سرزمین کی بو باس ہے جہاں بیٹھ کر شاد عارفی نے ان کی تخلیق کی ہے ۔ کسی دوسری زبان میں ان کا ترجمہ کیا جائے تو نقاد پہچان لے گا کہ اس نظم کا تعلق اردو کے روہیلکھنڈی علاقے سے ہے اور یہ وصف ان کی ایک آدھ نظم میں نہیں بلکہ اکثر نظموں میں موجود ہے عالمگیر مسائل کو علاقائی کرداروں کے ذریعے مقامی ماحول کیساتھ پیش کر کے شاد نے ان نظموں میں آفاقیت اور ارضیت کی دہری صفات پیدا کر دی ہیں ۔

قبل ازیں پیش کردہ شاد کی نظموں کے اقتباسات سے یہ امر بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ان نظموں میں سادگی کے پردے میں طرفگی اور پیچیدگی بھی ہے اور نفسیاتی کشمکشوں کی ترجمانی بھی جگہ جگہ علامتوں ، استعاروں اور تشبیہوں کے ذریعے اور اشارہ ، رمزوکنایہ کے توسط سے تفصیل طلب باتیں چھوٹے چھوٹے پرت دار جملوں میں پوری جامعیت کے ساتھ کہہ دی گئی ہیں ۔ گواہی میں مختلف نظموں کے دو دو مصرعے حاضر ہیں ؂

عورتوں کے جھرمٹ کو دیکھکر استعارۃً کہتے ہیں -

کچھ میاں سے باہر شمشیریں ، کچھ بجلی ایسی تنویریں
کچھ گرتے پڑتے میخانے ، کچھ چلتی پھرتی تقصیریں[2]

(نمائش ۱)

دلیل کی صورت میں ایک تشبیہ ملاحظ ہو ۔-

کل فلاں فلاں لڑکی نام اچھال کر چل دی
انتہا یہ ہر تتلی پــــر نکال کر چل دی[3]

(مشورہ)

---

۱ اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک ۔ ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی (ص ۱۸۸)
۲ شوخی تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۹۲)
۳ شوخی تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۷۰)

منٹو کے انداز کی ایک اور مثال :۔

میں کہتا ہوں اگر انداز مغرب تجھ کو چھو جائے
تو پکے آم کی صورت مرے پہلو میں چو جائے[1]

(مہترانی)

تخئیل کی نادرہ کاری یہ تمثیل کہاں سے تلاش کی ہے ذرا دیکھئے :۔

اب مرے پندار میں بھی اس درندے کی جھلک
حس کو بو دیتا ہے دلدل میں پھنسی چیتل کا خون[2]

(کشمیری بھکارن)

بیوی کے ساتھ وفاداری پر کیا یہ ہے :۔

گھر کی مرغی کو بہر حال سراہا اب تک
دال کے حق میں چکوروں کو نہ چاہا اب تک[3]

(سالی)

فحاشی کے منظر سے متعلق ایک سمپل :۔

دحالیات ادغام کا سا عمل
مصور تھی القصہ عریاں غزل[4]

(مال روڈ)

ایک یہ بھی :۔

نشست گاہوں میں ابتداءً بڑے تکلف سے چائے پانی
سنا کیے جھنکار چوڑیوں کی رحوائے کی ڈیوڑھی زنانی[5]

(مرے محلے کے دو گھرانے)

۱　شوخی تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۶۱)
۲　شوخی تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۲۶)
۳　شوخی تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۴۸)
۴　شوخی تحریر ۔ شاد عارفی (ص ۵۲)
۵　نثر و غزلدستہ ۔ شاد عارفی (ص ۲۰۲)

بس ایک اور :-

تھانیدار کی صورت دیکھی، ملسوہ ختم، فضا خاموش
"ومکو" کے جھاگوں کی صورت سمٹا، بیٹھا قومی جوش[1]

(دیہاتی لاری)

آبرو باختہ عورتوں کے لئے شمشیر برہنہ، بجلی، گرتے پڑتے میخانے اور چلتی پھرتی تصویریں جیسی تشبیہات، آزادی پسند لڑکیوں کے لئے انتہا پر تتلی کے پر نکال کر چل دینے کا استعارہ، مغرب زدہ حسینہ کا پکے آم کی طرح آغوش میں ٹپک پڑنا شہوت سے مغلوب پندار کی تمثیل ایسے درندے سے دینا جیسے دلدل میں پھنسی چیتل کا خون بلا رہا ہو، گھر والی کو گھر کی مرغی کا نام عطا کرنا اور کہنے بعید دال کے برابر سمجھنے کا رمز، عریاں غزل کو فحاشی کا سمبل بنا لینا، رنسانی ڈیوڑھی کا چوڑیوں کی جھنکار سا کر رکھنا، قومی جوش کا "ومکو" کے جھاگ کی طرح سمٹ کر بیٹھ جانا کوئی علامت، تشبیہ یا استعارہ شاد نے کہیں سے مستعار نہیں لیا سب کھرے اور نئے ڈھلے ہوئے سکوں کی طرح ان کے اپنے خلاق ذہن سے برآمد ہوئے ہیں انکا اصل حسن اپنی مخصوص نشستوں پر زیادہ جگمگاتا ہے کیونکہ شاد نے انہیں کھپانے کے لئے شعر نہیں گڑھے بلکہ اپنے اشعار میں حسب موقع تازگی، ندرت، چستی، روانی اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ان کی تخلیق کی ہے۔ یہ تخلیقی قوت وقدرت، وسیع مشاہدے اور عمیق تجربات کے بغیر نصیب نہیں ہوا کرتی یوں کہنے کو صناعی برائے نمائش، سے ہمارے شعراء کے دواوین اٹے پڑے ہیں۔

شاد عارفی کی نظم کا ایک اور وصف بھی بطور خاص اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ عظمت اللہ خاں نے نہ صرف غزل کی گردن مار دینے کا فیصلہ صادر کیا تھا بلکہ اردو نظم کی جامد ہیئتوں سے عاجز آکر مختلف نامانوس بحروں میں گیت اور نظم کہنے کے رواج کو جاری کرنے کی عملی کوشش بھی کی اور دو تین مختلف بحریں ایک ہی گیت یا نظم میں استعمال کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ انہوں نے خود بھی عروضی اور ہیئتی تجربات کئے لیکن حیثیت مجموعی وہ سارے تجربات ناکام رہے

---

۱ سفینہ چاہیئے۔ شاد عارفی (ص ۵۲)

بیشتر ترقی پسندوں نے اور ، حلقۂ ارباب ذوق ، کے وابستگین نے آزاد نظم کو اپنا کر خیال کو ہئیت کی ہیبت چڑھنے سے بچایا . شاد عارفی اس معاملے میں بھی مجتہد ثابت ہوئے . انھوں نے نظم کی مروجہ ہئیتوں میں رد و بدل کرکے اپنی نظموں کے لئے نئے سانچے خود ڈھالے اور انکے یہ تجربات بیحد کامیاب ثابت ہوئے . کامیاب ہئیتی تجربات کی روشنی میں وہ عظمت اللہ خاں سے بلند اور حفیظ جالندھری کے ہمسر ہیں . ان کی ہر نظم دوسری نظم سے یاتو ہئیتی اعتبار سے مختلف ہے یا دوسری بحر میں ہے . پختہ مشقی کے عہد میں ایک ہی بحر و ہئیت میں ان کی دو نظمیں مشکل سے ملیں گی . غیر ضروری تفصیل سے بچتے ہوئے چند نادر اور خوشگوار ہئیتیں بطور نمونہ حاضر خدمت ہیں عہ

شانہ و زُلف معنبر کی قسم تیری آنکھوں کی ترے سر کی قسم
میں ترے پاس پہنچ جاتا ہوں چاندنی کے رخ انور کی قسم
تو مرے پاس . . . . . مقدر کی قسم
سن کے ارباب طرب کے قصے قرب و تسکین نظر کے چرچے
میں ترے پاس پہنچ جاتا ہوں شہپر فکر رسا کے صدقے
تو مرے پاس . . کہوں ؟ کون کہے[1]

(گلکاریٔ تصور)

پوری نظم کے ہر بند کا تیسرا مصرع ہے « میں ترے پاس پہنچ جاتا ہوں » باقیماندہ چاروں مصرعے ہر بند میں الگ الگ طور پر ہم ردیف و ہم قافیہ ہیں لیکن ہر پانچویں مصرع کی ابتداء « تو مرے پاس » سے ہوتی ہے اور یہ مصرع بطور خاص چونکانے والا ہوتا ہے .

لگانے والے لگا کے ساتیں لگی ہوئی کو بجھا رہے ہیں
دھوئیں کے بادل اُفق کے ماتھے کلنک ٹیکے سجا رہے ہیں
شفق کی سرخی مگر بتاتی ہے طور لاوا اُگل رہا ہے
ابھی جبل پور جل رہا ہے[2]

(ابھی جبل پور . . .)

---

۱ شوخیٔ تحریر ـ شاد عارفی (ص ۱۴۰)
۲ نثر و غزلدستہ ـ شاد عارفی (ص ۲۰۷)

یہ پوری نظم ساڑھے تین مصرعوں کے بندوں پر مشتمل ہے ہر بند کے پہلے دو مصرعے اپنے طور پر آپس میں ہم قافیہ وہم ردیف ہیں لیکن ہر بند کا تیسرا مصرع مذکورہ بالا بند کے تیسرے اور چوتھے مصرعوں کا ہم قافیہ وہم ردیف ہے اور ان تمام بندوں کو « ابھی جل پور جل رہا ہے » کی ٹیپ سے مکمل کیا گیا ہے ۔

« آپ کی تعریف » شاد عارفی کی طویل ترین نظم ہے جو نامکمل صورت میں چوبیس بند رکھتی ہے اور ہر بند ایک آزاد خاکے کی حیثیت رکھتے ہوئے بھی پوری نظم کیساتھ اپنا تعلق جوڑے رکھتا ہے ۔ تمام بند نو نو مصرعوں پر مشتمل ہیں اور ایک ہی بحر میں ہیں ۔ پہلا مصرع آزاد ، اگلے چھ مصرعے مثنوی کی طرز پر تین اشعار کی شکل میں ، آٹھواں مصرع پہلے مصرع کا ہم قافیہ و ہم ردیف اور نویں مصرع کی جگہ پہلا مصرع مکرر آکر ٹیپ کا کام دیتا ہے ۔ مثال کے طور پر ایک بند ملاحظہ فرمائیے ؎

آپ ظلّ اللہ و عالی جاہ تھے

ساچنے میں آپ کا ثانی نہ تھا ‏ ‏ (بھاؤ) میں امکان ارزانی نہ تھا

علۃ کیف و نشاط و انبساط ‏ ‏ بزم میں خارج حجاب و احتیاط

ما بدولت کا اعادہ بار بار ‏ ‏ اور (این جانب) سے تاکید وقار

انقلاب آیا تو پیر کاہ تھے

آپ ظلّ اللہ و عالی جاہ تھے[1]

(آپ کی تعریف)

« ٹکڑ گدے » بھی بہ اعتبار ہیئت ایک انوکھا اور دلکش تجربہ ہے ۔ ایک بند دیکھئے

آپ کو جدا رکھیے، بوتڑں کے دولتمند ، عرض واقعہ تا چند

آپ کے اب وجدنے ، وار دان سرحد نے ،

داد لی دو جوڑا پر اور فتح کی سرہند[2]

(ٹکڑ گدے)

---

۱ سمیہ چاہیئے ۔ شاد عارفی (ص ۱۹)

۲ سمیہ چاہیئے ۔ شاد عارفی (ص ۴۵)

پہلا مصرع "فاعلن مفاعیلن" کے وزن پر تین موڑ لیتا ہے جن میں سے آخری دو دو ٹکڑے ہم قافیہ و ہم ردیف ہیں اس کے بعد دوسرا مصرع "فاعلن مفاعیلن" کے وزن کو صرف دوبار دہراتا ہے لیکن اس کے دونوں ٹکڑے پہلے مصرع کے قافیہ و ردیف سے آزاد اور داخلی طور پر ہم ردیف وہم قافیہ ہیں تیسرا مصرع دوسرے کا ہم وزن ہے اور اس کا آخری ٹکڑا پہلے مصرع کا ہم ردیف وہم قافیہ ہے۔ ہر بند میں یہی التزام رکھا گیا ہے۔

"ہم بھی منہہ میں زبان رکھتے ہیں" بھی اپنی ہئیت کے لحاظ سے اہم نظم ہے اس کے بند مندرجہ ذیل دلچسپ تکنیک کے حامل ہیں ۔

ان مقولوں کے ہم نہیں قائل، در ودیوار کان رکھتے ہیں
کان ہی کیا زبان رکھتے ہیں
ہے مگر یہ بہت بڑی مشکل، آپ جو پاسبان رکھتے ہیں
اُس سے اچھا گمان رکھتے ہیں
اپنی خلوت میں ان کی جلوت میں، ادب و شعر میں، سیاست میں
فائدہ جان کر شرارت میں
بے سبب، بن خطا بلا حُجت، ہم سے جو آن بان رکھتے ہیں
نیش عقرب کی شان رکھتے ہیں[1]

(ہم بھی منہہ میں زبان . . .)

مختلف بحروں میں بہتیری نظمیں تین تین، چار چار، پانچ پانچ اور چھہ چھہ ہم قافیہ وہم ردیف مصرعے والے بندوں پر مشتمل ہیں، کہیں کہیں ان میں ٹیپ کے مصرع یا مصرعوں کی ردیف وقافیہ مخصوص کر کے انفرادیت پیدا کرلی گئی ہے۔ کچھہ نظموں میں چار اور تین مصرعوں کے بندوں پر دو دو مصروں کی ٹیپ جڑی گئی ہے۔ کچھہ نظمیں غزل کی ہئیت میں ہیں اور کچھہ مثنوی کے فارم میں لیکن ان میں یہ جدت برتی گئی ہے کہ ابتدائی شعر جس ردیف وقافیہ میں ہے، آخری شعر میں بھی اس کی پابندی کی گئی ہے۔ دو تین نظموں میں تمام مصرعے متعینہ ردیف اور

۱　نثر و غزلدستہ ۔ شاد عارفی (۲۳۹ ۔ ۲۳۸)

قافیوں کے التزام کے ساتھ ہیں اور صرف آخری شعر کو اس پابندی سے آزاد کر دیا گیا ہے۔ ایک طویل نظم "نہ عبادت، نہ رسوم" بحر، قافیہ اور ردیف کی پابندی سے آزاد رہ کر بھی لکھی گئی ہے لیکن اس میں بیشتر درمیانی مصرعوں میں داخلی قافیہ و ردیف اسطرح شامل کر دیئے گئے ہیں کہ آزاد نظم میں پابند نظم کی غنائیت اور جھنکار داخل ہو گئی ہے۔ "مال زادیاں اور دلال" کا ہر بند پانچ مصرعوں کا ہے اس میں دوسرے تیسرے اور پانچویں مصرعوں میں ردیف وقافیہ کا التزام برتا گیا ہے جب کہ دوسرا اور چوتھا مصرع پابندی سے آزاد ہے چند نظمیں الف بے۔ الف بے۔ جیم جیم۔ اور "الف۔ بے۔ بے۔ بے۔ الف" کی تکنیک میں ہیں وعلی ہذ القیاس فیض احمد فیض کی بے پناہ مقبولیت کا ایک سبب یہ قرار دیا جاتا ہے کہ انہوں نے آزاد نظم میں قافیئے اور ردیف کا داخلی التزام کامیابی کے ساتھ برت کر اُسے قاری کے لئے قطعی اجنبی سے بچالیا شاد عارفی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے خیال کو ہئیت پر فوقیت دیتے ہوئے بھی پابند نظموں میں آزاد نظم کی سی مربوط فکر اور وحدت تاثر پیدا کی اور ہئیت کے خود ساختہ نئے نئے سانچوں میں ڈھال کر پابند نظم کو آزاد نظم سے زیادہ شگفتہ، دلچسپ، لچکدار، جدید نما اور نادر بنایا۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ پابندی سے آزادی حاصل کرنے کے مقابلے میں پابند ہوکر آزاد رہنا زیادہ مشکل فن ہے اس لحاظ سے شاد عارفی کی مہم فیض کے مقابلے میں زیادہ مشکل تھی کیونکہ شاد صنوبر کی طرح، پابند نظموں کے باغ میں پابہ گل رہتے ہوئے بھی آزاد رہے۔ مجروح سلطانپوری نے غلط نہیں کہا کہ شاد عارفی کی نظم۔ فارم کے اعتبار سے بھی جدید ہئیت کے دلدادہ حضرات کے لئے بھی باوجود اپنی ہئیت کی قدامت کے، ایک سوغات ہے "[1]

شاد عارفی نے اپنے لہجے کو نمایاں کرنے میں بحروں کی لچک اور آہنگ سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ صوتی اثرات سے بھی وہ اپنی نظم میں خاطر خواہ کام لیتے ہیں جن کی جانب سابقہ صفحات میں پیش کردہ اقتباسات میں آپ کی نظر گئی ہوگی کریہہ مناظر کے لئے سخت اور کھردرے نیز لطیف جذبات کے لئے نرم و سبک الفاظ کا استعمال شاد عارفی کی نظموں میں عام ہے۔ ان کی ہر نظم

---

۱ ایک تاثر ۔ مجروح سلطانپوری ("ایک تنہا شاعر" ص ۱۵۵)

نغمگی سے لبریز ہے۔ ان تمام خصوصیات نے ملکر اُن کی پابند نظموں میں بھی آزاد نظم کی سی وسعت، اوج اور لچک پیدا کردی ہے۔ یہ نظمیں فنی قیود میں رہتے ہوئے کہیں بھی جکڑے اور خیال کے بہاؤ میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرتیں نہ ہی کسی بند کا پیٹ بھرنے کے لئے حشو و زوائد سے پر مصرعے گڑھے گئے ہیں ہر نظم ایک ناقابل تقسیم اکائی کی طرح نظر آتی ہے اور پہاڑی ندی کی سی پرجوش روانی کے ساتھ اپنے متحیرکن اختتام کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔

اُن کی نظم کی انہیں خصوصیات کے پیش نظر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نے کہا ہے :-

«اردو نظم میں ہئیت واسلوب کے جتنے تجربے ہوئے ہیں وہ مغربی اثرات کے مرہون منت ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مسدس، قطعے کے طرز پر ہمارے یہاں جو نظمیں لکھی جاتی تھیں انکی نامیاتی وحدت ہمیشہ مشتبہ رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ رومانیت، جذباتیت یا خطابت اور بیانیہ وناصحانہ طرز ہماری اردو نظم کی تقدیر بن کر رہ گیا تھا۔ اس طرز سے نکلنے اور جدید طرز کی نظموں تک پہنچنے کے لئے اردو شاعروں نے خاصہ وقت لیا ہے اور مغربی نظموں کی تقلید میں بسا اوقات نظم ہئیت کی تکمیل کا احساس تو دلاتی ہے لیکن مواد اور ہئیت کے ناگزیر ربط سے تخلیقی جوہر جس طرح بروئے کار آتا ہے اس کی مثالیں کمیاب ہیں۔ شاد عارفی کی نظمیں پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے مغربی شاعری سے بے نیاز ہوکر خود اپنی نظموں کے لئے نئے سانچے وضع کئے۔ یہ سانچے خود ان کے موضوع اور ان کے مخصوص زاویۂ نگاہ کی پیداوار ہیں۔ ان نظموں میں نہ تو خالص داخلیت ہے نہ بیانیہ قسم کی سپاٹ اور بے رس خارجیت، بلکہ شاد صاحب نے داخلیت اور خارجیت کو یکجا کرکے ایک نیا قوام تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے افسانوی اور ڈرامائی طرز اختیار کرکے ان نظموں میں لہجے اور اسلوب کے عجیب وغریب تجربے کئے ہیں جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔»[1]

الفاظ کے ساتھ شاد عارفی کے جمہوری برتاؤ اور وسیع النظری کے متعلق سابقہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے۔ ان نظموں میں انکی یہ خصوصیت نمایاں تر نظر

---

۱ رفتار — خلیل الرحمٰن اعظمی (ہفت روزہ «ہماری زبان» علیگڈھ، ۱۵ اگست ۱۹۶۸ع ص ۱۱-۱۰)

آتی ہے کہی ہوئی باتوں کو دوبارہ دہرانے کی جگہ اس بارے میں ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے :—

« اردو میں اتنے وسیع پیمانے پر الفاظ اور موضوعات کا احاطہ کسی ایک شاعر نے نہیں کیا۔ جوش نے بھی نہیں . . . اردو کی کسی بھی بڑی لغت کی تیاری کے ذیل میں شاد عارفی کو سرفہرست رکھنا ہوگا ان کے ذریعہ بول چال کے الفاظ ، روہیلکھنڈی اردو کے الفاظ اور بہت سے فراموش شدہ اردو کے اصیل الفاظ بڑی تعداد میں شاعری میں محفوظ ہوگئے ہیں »[1]

بقول پروفیسر آل احمد سرور :—

« جو لوگ شاعری کی زبان اور بول چال کی زبان کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھتے ہیں انہیں شاد کے کلام کا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔ شاد نے بول چال کی زبان کی طاقت اور شعریت کو جس طرح اُجاگر کیا اور جس طرح بقول ایذرا پاؤنڈ ، حقیقی معنیات ، کو زبان دی ہے ، اُسے جدید اردو شاعری ہمیشہ یاد رکھے گی — »[2]

بحیثیت مجموعی شاد عارفی کی یہ نظمیں اپنے موضوعات ، اسالیب ، ہئیت ، لہجے ، وحدت تاثر ، ڈرامائیت ، زبان ، الفاظ اور ندرت کے لحاظ سے اردو شاعری میں ایک قطعی نئے عنوان کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس خاص رنگ میں کوئی بھی انکا مدِ مقابل نہیں ہے اقبال اور جوش جیسے عظیم نظم گو ہماری مروجہ نظم گوئی کی روایت کو آگے بڑھاتے ہیں لیکن شاد عارفی نے اپنی ایک نئی روایت قائم کی ہے ۔ نظم کے دربار میں انہیں نظیر اکبر آبادی ، میر انیس اور جوش کی صف میں جگہ ملنی چاہیئے

---

۱ شاد عارفی ، ایک تاثر — عابد رضا بیدار (سہ ماہی « اردو ادب » علیگڈھ تحلیق نمبر شمارہ ۴ ۱۹۶۳ع ص ۱۳۳)

۲ میرا صفحہ — آل احمد سرور (ہفت روزہ « ہماری زبان » علیگڈھ ۸ اپریل ۱۹۶۸ع ص ۱۱)

• • •

کتابی دنیا

پروفیسر عطاالدین ایس گوریکر

طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ

زیر نظر کتاب خواجہ عبدالغفور صاحب کا یہ تحقیقی مقالہ ہے جو انہوں نے انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے توسط سے بمبئی یونیورسٹی میں داخل کیا اور یونیورسٹی نے دسمبر ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری عنایت کی۔

ڈاکٹر غفور نے اپنی اس تصنیف میں نہ صرف طنز ومزاح کا تنقیدی جائزہ لیا ہے بلکہ ادب کی متنوع اسلوب نگاری اور طرز نگارش کا غائر مطالعہ بھی کیا ہے اور اس طرح مغربی ادب سے موازنہ کرکے باقاعدہ اور منظم طریقے پر مرتب اور مدون کیا ہے۔ دراصل اردو ادب میں یہ پہلی کوشش ہے جو ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے

خواجہ صاحب نے اپنی اس تالیف کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے جنکے عنوانات درج ذیل ہیں۔

(الف) انشائے لطیف (ب) بذلہ سنجی (ج) طنز (د) اردو کی منظوم خصوصی اصناف (ہ) تضحیک وتعریض (و) انداز بیان (ز) متفرقات اور (ح) مزاحیہ شاعر وناثر۔

اردو کے مشہور ومعروف ادیب وصحافی پریم گوپال متل صاحب نے حرفِ چند کے عنوان سے کتاب اور اس کے مصنف پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ” یہ کتاب طنز ومزاح کے تحقیقی سفر میں ایک سنگ میل ہے مجموعی طور پر اردو ادب کے ذخیرہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ یہ مصنف کی عرق ریزی، سنجیدہ کاوش اور موضوع سے تخلیقی دلچسپی کا بین ثبوت ہے۔ کتاب

کا ایک بڑا حصہ ریسرچ اسکالرز کے گائڈ بک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو ادب میں بالکل نئی چیز ہے اور بالکل نئے انداز سے پیش کی گئی ہے۔ کتاب میں نہ صرف اردو ادب میں طنز ومزاح کا بلکہ یورپ اور امریکہ کی تہذیبی اور ثقافتی فضا میں مزاح اور ظرافت کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔،،

پیش لفظ میں صاحبِ تصنیف لکھتے ہیں «ہر دور کے شاعر، ادیب، صحافی، کارٹونسٹ، کردار نگار، نئے اسلوب کے موجد، ترقی پسند، روایتی کلاسیکی سب ہی کی تخلیقات کا مطالعہ کر کے حد بندیاں کی ہیں۔»

خواجہ صاحب کی پر مذاق شخصیت کا عکس انکی مزاحیہ تصانیف قہقہہ زار شگوفہ زار، سمن زار، لالہ زار اور گل وگلزار میں نمایاں ہوتا ہے اور ساتھ ہی انکی تخلیقی قوت کے علاوہ انکی نگارش میں برجستگی اور بے ساختگی کا اظہار ہوتا ہے اگرچہ ان کے موضوعات نئے نہیں ہوتے ہیں تاہم ان کا طرز بیان اچھوتا ہے۔

کرشن چندر جیسے بلند پایہ ادیب و مصنف نے غفور صاحب کے بارے میں بجا فرمایا ہے «خواجہ صاحب کی جدت طرازی نے اپنے فکر وفن کی معنی آفرینی اسلوب کی رنگینی اور موضوعات کی بوقلمونی سیدِ گل کی صورت عطا کی ہے۔» اور اردو کے ممتاز استاد ونقاد ڈاکٹر قمر رئیس یوں رقم طراز ہیں: «اس دور کے طنز و مزاح میں خواجہ عبدالغفور کا یہ کارنامہ بھی یادگار رہے گا کہ انہوں نے لطیفہ گوئی کو فن کا درجہ دیدیا ہے خالص مزاح میں انہیں شفیق الرحمن کا جانشین کہا جاسکتا ہے»

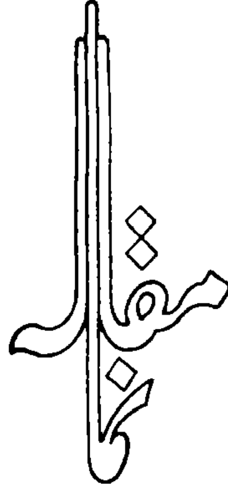
صاحب موصوف نے بے مائیگی کے باوجود ادبی دنیا میں ایک مقام پیدا کرلیا ہے اور انکی زیر تبصرہ تصنیف ایک ایسا قاموس ہے جو طنز ومزاح کے طالب علم ہی کو نہیں بلکہ اردو کے ادیب ونقاد اور صحافی وانشا پرداز کے لئے بھی مفید وکار آمد ثابت ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر غفور صاحب اپریل ۱۹۸۴ع میں اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں تاہم انکی زیر نظر کتاب اور انکی دیگر تصانیف ادبی دنیا میں یادگار رہینگی۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

• • •

طنز ومزاح کا تنقیدی جائزہ مصنفہ خواجہ عبدالغفور
موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، گولا مارکیٹ، دریاگنج، نئی دہلی
قیمت: پچاس روپے



مذہبیات

شرف الدین اصلاحی

قرآن کا تصور عـــدل

ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد ، مارچ ۱۹۸۴
جلد ۲۱ شمارہ ۸ ، ص ۲۹ ـ ۴۲

آج دنیا نے عددی اکثریت کو حق و باطل کا فیصلہ کن معیار قرار دیا ہے لیکن قرآن کا معیار اس سے بالکل مختلف ہے ۔ اسکے نزدیک حق وہ ہے جس کی ســـند حق تعالی خدائے ذوالجلال سے ملتی ہو ۔ اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کر کے اس کے خدوخال اس طرح متعین کردئیے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص ھـوائے نفس سے مغلوب ہوکر عمـداً چشم پوشی نہ کرے تو اسکا راستہ آئینے کی طرح صاف ہے ۔ قران نے کہیں پر عدل کی تعریف یا اسکا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان نہیں کیا اسلئے کہ یہ ایک کائناتی صداقت ہے اور اسکی پہچان خود انسانی فطرت میں ودیعت کردی گئی ہے

عبدالرؤف رحمانی

اشعـار و قصائـد کی دینی حیثیت

ماہنا معاروف اعظم گڈھ جولائی ۱۹۸۴ع
جلد ۱۳۴ شمارہ ۱ ، ص ۴۶ ـ ۶۱

سورہ شعـــرا میں عام شاعروں کی مذمت کے بعد شعرائے اسلام کو الاالذین آمنو و عملو الصالحـات و ذکروالله کثیراً الخ کہہ کر خود مستثـــنٰی فرمایـا ہے ۔ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ ایسے اشعـار جو نصیحت آموز ہوں اور اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہوں ان کا پڑھنا ، سننا سب سے مشروع و درست ہے ۔ بعض اشعار میں

دانائی کی باتیں ہوتی ہیں۔ پس دراصل ایسے ہی بصیرت افروز ، علم آموز اشعار ہیت کی نظر میں مستحسن ہیں۔

کلیم سہسرامی

رسالہ جہادیہ

ششماہی نوائے ادب بمبئی ، اپریل ۱۹۸۴ء،
جلد ۳۴ شمارہ ۱ ، ص ۱ — ۱۰

یہ قلمی رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مسلمانوں میں اسلامی جوش و جذبہ کی تحریک اور کفار کے خلاف جہاد کی دعوت کیلئے لکھا گیا ہے ۔ اسکی ضخامت صرف چھ صفحہ ہے اور اشعار کی تعداد کل ۵۷ ہے اس پر تاریخ ہشتم شوال المکرم ۱۲۵۳ھ لکھی ہوئی ہے اشعار کا انداز عام مثنوی کی طرح ہے

اس رسالے پر چونکہ مصنف کا نام درج نہیں ہے لیکن جہانتک زبان ، بیان ، مصرعوں کی ساخت اور اسلامی جوش جہاد کا تعلق ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے قیاس یہ ہے کہ علمائے صادق پور (پٹنہ) یا مولوی عنایت علی اور مولانا ولایت علی صادق پوری کے گروہ سے تعلق رکھنے والے کسی مولوی صاحب کی کی تصنیف ہے ۔

سید صباح الدین عبدالرحمن

منٹگمری واٹ کی کتاب محمد ایٹ مکہ پر ایک نظر

ماہنامہ معارف اعظم گڈھ ، اپریل ۱۹۸۴ع
جلد ۱۳۳ شمارہ ۴ ص ۲۴۵ — ۲۷۶
مئی ۱۹۸۴ جلد ۱۳۳ شمارہ ۵ ص ۳۲۹-۳۴۹

یورپ اور امریکہ کے فضلا نے تحقیق و تدقیق کا یہ معیار قائم کر رکھا ہے کہ اس میں حوالے معاصر ماخذوں اور نہیں تو زمانہ کے لحاظ سے قریب تر زمانہ کے ماخذوں کے حوالے دیکر اسکو مستند اور وقیع بنایا جائے ۔ ترجمہ کے حوالوں سے اسکا پایا گرجاتا ہے پھر بہت بعد کے مصنفوں کے حوالوں سے تحقیقی تحریر ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے لیکن زیر نظر کتاب کے مصنف نے زیادہ تر انیسویں اور بیسویں صدی کے مصنفوں کی کتابوں کے حوالے دیے ہیں اور ان ہی کا سہارا لیا ہے جس سے انکی بیت کے کھوٹ کو مدد پہنچ سکتی ہے اور پھر عربی کی اصل کتابوں کے حوالوں کے بجائے انکے ترجمے سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ اس لحاظ سے اس کتاب کی وقعت بڑی حد تک گر جاتی ہے ۔

سید صباح الدین عبدالرحمن

اسلام میں تصور ریاست

ماہنامہ معارف اعظم گڈھ مارچ ۱۹۸۴ء
جلد ۱۳۳ شمارہ ۳ ، ص ۱۷۹ - ۱۹۰

قرآن میں اسلامی حکومت کی نوعیت متعین نہیں کی گئی ہے ہمارے رسول نے بھی کوئی واضح ہدایت نہیں دی ہے کہ حکومت کی نوعیت کیا ہو ، اسکے سربراہ کا انتخاب کیسے ہو اور اسکو غیر واضح رکھنا ، مصلحت اندیشی اور دور بینی پر مبنی تھا تاکہ لوگ زمانے کے تقاضے اپنے سیاسی مصالح ، جغرافیائی حالات اور معاشرتی ضروریات کی بناء پر جیسی حکومت چاہیں قائم کرتے رہیں ۔ البتہ قرآن پاک اور حدیث میں حکمرانی کے اصول واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں ۔

شجاعت علی قادری

امام ابو حنیفہ اور استحسان

ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد ، مارچ ۱۹۸۴ء
جلد ۲۱ شمارہ ۸ ، ص ۴۲ — ۵۸

مذہب حنیفہ میں اتنی وسعت موجود ہے کہ وہ اس پھیلتی ہوئی دنیا اور اس کے تغیر پذیر مسائل سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ « یہ مذہب اپنی بنیاد اور اساس میں کاملاً آزاد ہے اسی وجہ سے اس میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ جیسے جیسے حالات ہوں اپنی قوت تخلیق سے کام لیتے ہوئے ان سے مطابقت پیدا کرلے اس مقالہ میں نظریہ استحسان سے استفادہ کے امکانات پر بحث کی ہے ۔

عبدالمالک عرفانی

بیمہ کی شرعی حیثیت

ماہنامہ فکرونظر اسلام آباد جلد ۲۱ شمارہ ۷ ، فروری ۱۹۸۴ء ص ٦ — ۲۳

علمائے کرام عموماً ہر نئے معاملے کو قدیم فقہ کی چار دیواری میں لاکر اسے کسی نہ کسی خانے میں منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر اسطرح انطباق نہ ہوسکے تو اسے ناجائز قرار دیتے ہیں ۔

اس طرز خیال سے اختلاف کرتے ہوئے راقم نے بیمہ پر کئے جانے والے اعتراضات کو اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں پرکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ محض چند غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں ورنہ بیمہ کرنا شرعاً مباح ہے ۔

قاضی اطہر مبارکپوری

مشائخ حیسن پور

ماہنامہ برہان دہلی، مئی ۱۹۸۴ع جلد ۹۲
شمارہ ۵، ص ۸ — ۲۱

حیسن پور مدتوں علم وفضل اور روحانیت ومشیخیت کا گہوارہ اور علماء و مشائخ کا مرکز رہا ہے فاضل مقالہ نگار نے خانوادۂ میر سید سلام اللہ حیسن پوری، میر سید جلال الدین، میر سید حامد حسین، میر سید شمس الدین اور شاہ الہ ہدا حیسن پوری کا تذکرہ کیا ہے۔

محمد منظور نعمانی

ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، مارچ ۱۹۸۴ع
شمارہ ۳ ـ ۴، ص ۲۱ ـ ۵۱

ابتدائی قسط میں امام خمینی اور انکے برپا کئے ہوئے انقلاب کی نوعیت وحقیقت اور شیعیت اور خاصکر اسکی بنیاد مسئلہ امامت (جو اس ایرانی انقلاب کی مذہبی وفکری بنیاد ہے) پر فاضل مقالہ نگار نے شیعہ مذہب کی روشنی میں مفصل جائزہ لیا ہے۔

خواجہ حمید یزدانی

نظامی کی نعتوں میں سیرت کے پہلو

ماہنامہ المعارف لاہور، مارچ ۱۹۸۴ع
جلد ۱۷ شمارہ ۳ ص ۱۷ — ۲۸

نظامی کی نعتوں میں حضور نبی کریم کی سیرت طیبہ کے بارے میں کئی ایک اشارے ملتے ہیں اور ظاہر ہے چند اشعار پر مشتمل نعت میں کسی بھی پہلو کو تفصیل سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ان نعتوں میں حضور کی عظمت وبرتری ختم المرسلین، حضور کے معجزوں، خلق عظیم اور اسوۂ حسنہ، حضور کی سخاوت وشفاعت اور فصاحت، دلیری و شجاعت حضور کا فقر وغیرہ ایسے موضوعات کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے جو نظامی کی بہت زیادہ معلومات اور فنی پروال ہے۔

ادبیات

ادارہ

جدید غزلگو ـ ۱۹۴۱ع کی ایک دستاویز
سہ ماہی جرنل خدا بخش لائبریری پٹنہ،
شمارہ ۲۶ ـ ۲۷، ۱۹۸۴ع ص ۱ ـ ۳۲۲

صدی کی چوتھی دہائی کے خاتمہ پر کون ممتاز ترین غزلگو تھے جن کے ہاتھوں آزادی کے آس پاس اردو غزل کس منزل

میں تھی، یہ دستاویری مجموعہ اسی سوال کا جواب ہے «دستاویز» اسلئے بن گیا ہے کہ یہ « شعراء کا خود انتخاب کیا ہوا کلام ہے » انتخاب کے ساتھ حالات بھی سب شعرا کے فراہم کئے ہوئے ہیں خواہ انہوں نے خود اپنی طرف سے لکھا ہو یا دوسرے کی طرف سے . » ان شعراء کی اس زمانے کی تصاویر بھی فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ بنیادی طور پر نیاز فتحپوری مدیر نگار کی ہے . نیاز نے ۳۱ پھلوں کا گلدستہ بنایا . ان کے دو ارمغانوں کو ادارے کی جانب سے شامل کر کے تعداد ۳۳ ہوتی ہے آرزو لکھنوی ، آس الدنی ، اثر لکھنوی ، احسان دانش ، علی اختر اختر ، اختر شیرانی ، امید امیٹھوی ، بیخود دہلوی ، تاجور نجیب آبادی ، ثاقب لکھنوی ، جلیل مانک پوری ، جگر مراد آبادی ، جوش ملیح آبادی ، حسرت موہانی ، حفیظ جالندھری ، دل شاہ جہاں پوری ، روش صدیقی ، پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی ، سیماب اکبر آبادی فانی بدایونی ، فراق گھورکھپوری ، پنڈت دتاتریہ کیفی ، تلوک چند محروم ، آنند نرائن ملا ، ناطق گلاؤٹھوی ، ناطق لکھنوی ، نوح ناروی ، وحشت کلکتوی ، یگانہ چنگیزی ، آزاد انصاری ، افسر میرٹھی ، سائل دہلوی اور صفی لکھنوی

محمد علی اثر

دکنی ادب پر تحقیقی کام

ماہنامہ سب رس حیدرآباد دکن ، دسمبر ۱۹۸۳ع جلد ۴۳ شمارہ ۱۲ ، ص ۴ - ۸

قدیم اردو ادبیات پر تحقیقی کام کی ابتداء کا سہرا مشہور مستشرق گارساں دتاسی کے سر ہے «کلیات ولی» کو سب سے پہلے گارساں دتاسی ہی نے جو مخطوطات کی مدد سے ۱۸۳۴ع میں مرتب کر کے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ پیرس کے شاہی مطبع سے شائع کیا انیسویں صدی کے ربع دوم میں بمبئی کے مطبع محمدی اور مطبع حیدری نے قدیم ادبیات سے متعلق متعدد کتابیں شائع کیں قدیم دکنی کے موضوع پر پہلا تعارفی مضمون حکیم شمس اللہ قادری نے ۱۹۱۰ع میں لکھنؤ کے رسالے لسان العصر میں شائع کیا مولوی عبدالحق نے « کلیات محمد قلی قطب شاہ » سے متعلق تحقیقی مضمون رسالہ « اردو » اورنگ آباد میں شائع کیا ۱۹۲۸ع میں ڈاکٹر محی الدین زور کی معرکۃ الآرا کتاب «اردو شہ پارے» منظر عام پر آئی تحقیق کی ان اولین کاوشوں نے تدوین کی طرف زیادہ توجہ دی . دکنی ادب پر تحقیقی کام کے دوسرے مرحلے کا آغاز ۱۹۶۵ع

میں ہوا جسکہ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اپنے رفقاء کی مدد سے تحقیقاتی مجلّے «قدیم اردو» کا اجراء عمل میں لایا۔

جگن ناتھ آزاد

اقبال صرف مسلمانوں کا شاعر ؟

ماہنامہ شبخون الٰہ آباد اکتوبر ۸۳ ع فروری ۱۹۸۴ جلد ۱۷ شمارہ ۱۳۱ ، ص ۱۱ ـ ۱۹

اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کہ اقبال کا بنیادی سرچشمہ افکار قرآن اور حدیث ہیں لیکن اس سے یہ مراد لینا کہ اسکے علاوہ مشرق ومغرب کے تمام فکری معیاروں سے اقبال بے نیاز رہے اسکے فکر وفن کے نا توجہ مطالعہ کا نتیجہ نہیں ۔ صرف یہی نہیں کہ اقبال نے مختلف نظام ہائے فکر کا بغور مطالعہ کیا بلکہ اسکے اپنے نظام میں ان نظام فکر کے اکثر پہلوؤں کے رد و قبول کا سلسلہ برابر جاری رہا ۔ انکی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں اسلامی فکر کے ساتھ ساتھ قدیم ہندوستانی فلسفہ ، مغربی فلسفہ ، مارکس اور انگلز کا جدلیاتی مادی نظام فکر بھی شامل ہے فاضل مقالہ نگار نے اپنی بحث واضح مثالوں کے ساتھ اس بات پر ختم کی ہے کہ اقبال مسلمانوں کے شاعر ہونے ہوئے بھی ہندوستان بلکہ ہندوستان کی بیداری کی شاعر بھی ہیں ، ایشیا کی بیداری کے شاعر بھی ہیں اور عالم انسانیت کے شاعر بھی ہیں۔

اکمل ایوبی

ترکی زبان ـــ ایک مطالعہ

پندرہ روزہ تہذیب الاخلاق علیگڈھ ۱۶ـ۳۰ اپریل جلد ۳ شمارہ ۸ ص ۱۵ـ۱۶

ترکی بدرجت ایک مستقل زبان ہے اور یورال التائی لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے جسکو تورانی بھی کہتے ہیں ترکی زبان کو خود ترک «تورک ولی» کہتے ہیں لیکن جمہوریہ کی زبان «تور کچہ» کہلاتی ہے۔ اسکے جملوں میں لفظوں کی ترتیب عموماً اردو جیسی رہتی ہے ترکی زبان میں ایک ہی ماخذ سے بہت سے الفاظ بنانے کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ بڑی ہی با محاورہ اور زرخیز زبان ہے ۔ اس میں حرف علت کی تعداد آٹھ ہے لیکن ان میں ہم آہنگی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے ۔

ترکی زبان کیلئے اب تک اٹھارہ رسم الخط استعمال کئے گئے ہیں ۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترکوں کو کبھی بھی کسی ایک رسم الخط سے قلبی لگاؤ نہیں رہا ہے ۔

شیریں باسط

مثنوی «قطب مشتری» میں کردار نگاری

ماہنامہ جامعہ دہلی، اگست ۱۹۸۴ ع
جلد ۸۱، شمارہ ۸، ص ۷ - ۲۱

قطب شاہ «قطب مشتری» کا مرکزی کردار ہے اسکے علاوہ کئی ضمنی کردار بھی ہیں ان پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وجہی کو کردار نگاری پر دسترس حاصل نہیں تھی اس مثنوی میں اکثر کردار مثالی ہیں اور ہر جگہ و ہر حال میں یکساں نظر آتے ہیں ماحول کے تغیر وتبدل کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اسلئے یہ جامد وساکت نظر آتے ہیں. انکی شخصیت لچکدار نہیں ہوتی اس لئے یہ کردار غیر فطری اور مصنوعی ہیں واقعات وحادثات ان پر اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ یہ خود ماحول اور فضا پر مسلط ہونا چاہتے ہیں.

کبیر احمد جائسی

اقبال اور جدیدیت

ماہنامہ جامعہ دہلی، جون جولائی ۱۹۸۴ ع
جلد ۸۱ شمارہ ۶ - ۷ ص ۱۴ - ۳۲

جدیدیت کی خواہ کچھ بھی تعریف کی جائے جب بھی اقبال کی شاعری کا مطالعہ اس تعریف کی روشنی میں کیا جائے گا جدیدیت کے متعلق رویہ مثبت ہی نکلے گا یہ امر اقبال کے کلام کے ما فوق الفطرت ہونے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ انکے کلام کی تہہ داری کو ظاہر کرتی ہے اور اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انکے کلام میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ زندگی کے ساتھ بہت دور تک چل سکتا ہے اور انسان کے کاروان فکر وخیال کیلئے چراغ رہ گذر بنکر بہت دنوں تک ضیا پاشیاں کرسکتا ہے ہمارے نزدیک کلام اقبال کا یہی وصف انکی جدیدیت ہے.

چودھری محمد نعیم

مجروح سلطانپوری کی غزل

ماہنامہ کتاب نما دہلی، اپریل ۱۹۸۴ ع
جلد ۲۴، شمارہ ۴، ص ۵ - ۱۶

مجروح کی غزل اس صدی کی اردو غزل کا اہم حصہ ہے اس میں ہمیں اپنے بہت سے عصری تقاضوں کا جواب اور بہت سی لمحاتی صداقتوں کا اظہار مل جاتا ہے یہ اظہار ایک ایسی زبان میں ہوا ہے جو غنائیت سے بھرپور ہے اور ایک ایسے اسلوب میں کیا گیا ہے جو ہماری روایت سے وابستہ عمدہ غزل کا طرہ امتیاز رہا ہے.

خواجہ عبدالغفور

رباعیوں میں رواں اردو زبان ہے

پندرہ روزہ قومی راج بمبئی ،
۲۵ اپریل ۸۴ جلد ۱۱ شمارہ ۸ ص ۱۵-۱۷
۱۰ مئی ۸۴ جلد ۱۱ شمارہ ۹ ص ۲۴-۲۸

عام فہم انداز میں اردو حروف تہجی سکھانے کیلئے کیسا طریق کار اختیار کیا جائے اسکی واضح مثالوں کے ساتھ رہنمائی کی گئی ہے اپنی اس کاوش کو فاضل مقالہ نگار نے جدید ترین سائنسی اختراعات کا سہارہ لے کر مائیکرو فلم اور ریڈیو کیسٹ بھی تیار کیا ہے ۔

سلیم الدین احمد

شاہ ولی اللہ دہلوی کے مخطوطات
خدا بخش لائبریری میں

سہ ماہی جرنل خدا بخش لائبریری پٹنہ ،
۲۵ واں شمارہ ۱۹۸۴ ، ص ۹۱-۱۰۲

راقم خدا بخش لائبریری میں اسسٹنٹ لائبریرین کے عہدہ پر مامور ہیں ۔ مقالہ ہذا میں انھوں نے شاہ صاحب کی مندرجہ ذیل تحریروں کا تعارف کرایا ہے جو مخطوطات کی شکل میں خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہیں

۱) روایت حدیث کی سندیں شاہ صاحب کی اپنی تحریر میں
۲) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین
۳) فتح الرحمن فی ترجمة القران
۴) مقدمہ فتح الرحمن
۵) مصفٰی شرح موطا
۶) ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء
۷) فوز الکبیر فی اصول التفسیر و فتح الخبیر
۸) حجة البالغه
۹) المسوی شرح الموطا
۱۰) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف
۱۱) عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید
۱۲) قرة العینین فی تفضیل الشیخین
۱۳) سطعات
۱۴) رسالہ مقدمہ سنیہ فی الانتصار الفرقه السنیه
۱۵) مقدمہ فی قوانین الترجمه
۱۶) اربعون
۱۷) رسالہ شاہ ولی اللہ
۱۸) اعلام الدریب بحدوث بدعة المحاریب
۱۹) رسالہ حسن العقیده
۲۰) القول السدید فی مسائل الاجتہاد و التقلید
۲۱) ہمعات
۲۲) رسالہ نظم صرف میر
۲۳) تحریر اللطیف فی ترجمة العبد الضعیف

نظیر صدیقی

اردو غزل کے جدید رجحانات

ماہنامہ شاعر بمبئی، جلد ۵۵ شمارہ ۳۰،
ص ۸ - ۱۹

غزل کے جدید رجحانات کو واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک حصہ ان رجحانات کا ہے جو غزل کی فنی حیثیت یعنی اسکی ہئیت، زبان اسلوب اور آہنگ سے تعلق رکھتے ہیں دوسرا حصہ ان رجحانات کا ہے جو اسکے موضوع اور مزاج سے تعلق رکھتے ہیں۔ فاضل مقالہ نگار نے اپنے تجزیہ کو معاصرانہ غزل خصوصاً پاکستانی غــزل تک محدود رکھا ہے۔

صفــدر

وزیر آغــا کی تنقید نگاری

ماہنامہ شبخون الہ آباد اکتوبر ۸۳ فروری ۸۴
جلد ۱۷ شمارہ ۱۳۱ ص ۴۳ - ۵۶

وزیر آغا اردو میں ارسطوی تنقید کے نمــائندے ہیں وہ اردو تنقیـد کی روایتی لیبین پوجا اور ایلیٹ پرستی کے اندھیروں میں مقید نہیں ہیں انکی تصنیفات میں قدم قدم پر کھلی آنکھ کی روشنی میں چلنے والے دانشور سے ملاقات ہوتی ہے۔ وزیر آغا نفسیات کی بھول بھلیوں کے اسیر نہیں ہیں فکار ARCH TYPES تک رسائی انکی فکر کی معراج نہیں ہے بلکہ بڑی شاعری کی شناخت کے تعلق سے بھی انکے یہاں بلیغ اشارات پائے جاتے ہیں وہ جمالیاتی نقطۂ نظر سے بھی تخلیق کے فنی اوازمات کا سمجھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ حالی کی بعد اردو تنقیـد میں وزیـر آغــا دوسری قد آور شخصیت ہیں۔

قمــر عصار

چہــار مقالہ کی ادبی و تاریخی اہمیت

ماہنامہ جامعہ نئی دہلی، اگست ۱۹۸۴ ع
جلد ۸۱ شمارہ ۸ ص ۲۸ - ۳۷

نظامی چھٹی صدی ہجری کا ممتاز مصنف اور شاعر شمار کیا جاتا ہے اسکی مشہور تالیف چہار مقالہ فارسی کے ادبی اسلوب کا ایک نادر نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔

الفاظ کا اختصار، بیان کا ایجاز، عبارت کی سلاست قلم کی شگفتگی، غرض ہر اعتبار سے اس کتاب کے پڑھنے والے کو ادبی ذوق کی تسکین کا احساس ہوتا ہے فی نفسہ یہ فارسی کے انشاء پردازوں کیلئے آج بھی ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔

کتاب کا موضوع حکمت عملی ہے اور یہ چار مقالات پر پھیلی ہوئی ہے جو دبیر، شاعر، نجومی اور طبیب کی اہمیت کو واضح کرتی ہے اس ضمن میں بہت سی تاریخی ہستیوں کے سوانح اور اطوار زندگی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ خصوصاً دوسرے مقالے میں بعض ایسی شخصیات کا تذکرہ ملتا ہے جنکے بارے میں اسقدر مفصل معلومات کسی دوسرے ماخذ سے دستیاب نہیں ہوتی

قاضی عبدالودود

محمد حسین آزاد : بحیثیت محقق

سہ ماہی جرنل خدا بخش لائبریری پٹنہ، ۲۵ واں شمارہ ۱۹۸۴ ع ص ۱ - ۸۲

اکثریت آزاد کی شاعری کی معترف ہے مگر یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں کہ وہ تحقیق کے مرد میدان تھے۔ اقلیت مصر ہے کہ وہ صرف ایک بڑے انشاپرداز ہی نہیں ایک بڑے محقق بھی تھے اس کتابچے میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حق کس کی طرف ہے۔

ابوالکلام قاسمی

حسرت کا شعری کردار

ماہنامہ کتاب نما دہلی، جولائی ۱۹۸۴ ع جلد ۲۴ شمارہ ۷ ص ۱۲ - ۱۹

حسرت کے کلام سے جو شعری کردار ابھر کر سامنے آتا ہے وہ زندگی کی مسرت وشادمانی اور آلام وافتاد کو لمحاتی طور پر قبول کرتا ہے۔ وہ ایک ساتھ زندگی کا تضادات کا سامنا نہیں کرسکتا۔ اسکے یہاں کسی تجربے کو فکری یا فلسفیانہ سطح پر لانے یا کسی مسئلے کی گہرائی میں اترنے کا مطلق احساس نہیں ہوتا۔

حسرت کی غزلوں میں حقیقی ماورائی مجرد عشق کی بجائے عشق مجازی کا اظہار ملتاہے۔ انکی محبت کہیں بھی «قدر» بن کر سامنے نہیں آتی

ہر چند کہ انکا شعری کردار غیر معمولی ذہن کا مالک نہیں اور ہر چند کہ انکا اپنا اسلوب ہونے کی بجائے بہت سے اسالیب شعر کا آمیزہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حسرت اپنے ہم عصر غزل گو شعرا میں ایک ممتاز شاعر قرار پاتے ہیں۔

محبوبہ وانی

جدید اردو شاعری اور رومانی تحریک

ماہنامہ کتاب نما دہلی مارچ ۱۹۸۴ ع جلد ۲۴ شمارہ ۳ ص ۵۳ - ۶۳

اردو ادب میں رومانیت کی وہ شکل و صورت نہیں ہے جو مغربی ادب میں ہے اردو ادب میں رومانیت کی روایت کی عدم موجودگی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس ملک کو انگلستان کی طرح انیسویں صدی کے آغاز میں ایک بڑے صنعتی انقلاب سے نہیں گذرنا پڑا۔ تاہم یہ امر مسلمہ ہے کہ اردو ادب رومانیت اور کلاسیکیت کی روایت سے یکسر خالی نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ روایت مغربی ادب کی رومانی روایت سے مکمل طور پر ہم آہنگ نہیں ہے اور نہ ہی یہ تحریک کی شکل میں نمودار ہوئی ہے۔

اردو میں متعدد ممتاز شعرا اپنے اپنے انداز وخیال لے کر سامنے آئے۔ جوش عظمت اللہ خاں، حفیظ جالندھری، اختر میرٹھی، روش صدیقی، احسان دانش اختر شیرانی، ساغر نظامی، اختر انصاری وغیرہ اس تحریک کے خاص معمار ہیں۔

غلام یزدانی

چاسر اور کینٹربری ٹیلس

پندرہ روزہ تہذیب الاخلاق علیگڈھ یکم - ۱۵ اپریل ۸۴ع جلد ۳ شمارہ ۷ ص ۱۲-۱۵

جیوفرے چاسر ولادت ۱۳۴۰ع وفات ۱۴۰۰ زمانہ شاہ ایڈورڈ سوم و شاہ ہنری چہارم کینٹربری ٹیلس میں چودھویں صدی کی عکاسی کیلئے انھوں نے کئی ادبی صنعتوں اور ترکیبوں کا استعمال کیا ہے عاثلت و معکوسیت کیلئے سکہ رائج الوقت کے دونوں رخ، ایک وجود کی دو شکلیں ایک ساتھ پیش کرتے ہیں پس منظر میں کیا ہونا چاہیے اور «منظر در پیش کیا ہے» کی نمائش اس طرح کرتے ہیں کہ اس زمانے کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے

کینٹربری ٹیلس چاسر کے کارناموں میں آخری ہے اور «امام» کی حیثیت رکھتی ہے چاسر کا یہ واحد کارنامہ ہے جس میں سماج کے تقریباً ہر طبقہ کی نمائندگی کی گئی ہے

شخصیات

کمیر احمد جائسی

محی الدین امین زادہ

ماہنامہ کتاب نما دہلی جون ۱۹۸۴ ع جلد ۲۴ شمارہ، ص ۵ - ۱۷

محی الدین امین زادہ ۱۹۰۴ع خوجند (موجودہ لینن آباد) میں پیدا ہوئے ابتدائی

اور ثانوی تعلیم پوری کرنے کے بعد موسیقی کے کالج سے گریجویشن کیا شعر وشاعری کا شغف بو عمری سے تھا شوق موسیقی نے شاعری کے شوق کو دو آتشہ کردیا

محی الدین امین زادہ نے تاجکیستان میں فارسی ادب کا سرمایہ وسیع کرنے کیلئے روسی زبان سے فارسی زبان میں ترجمے کرنے شروع کئے۔

انکی شاعری کے جو نمونے دستیاب ہیں وہ سب کے سب مقصدی ادب کے زمرے میں آتے ہیں۔

انھوں نے اپنے اشعار کے ذریعے تاجیکی شاعری کی طرف سفر کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

مسعود انور علوی

ابوالطیب المتنبّی

ماہنامہ برہان دہلی ،
اپریل ۱۹۸۴ع جلد ۹۲ شمارہ ۴ ص ۲۲-۴۰
مئی ۱۹۸۴ ع جلد ۹۲ شمارہ ۵ ص ۵۳-۶۳
جون ۱۹۸۴ ع جلد ۵۲ شمارہ ٦ ص ۲۱-۳۸

ابوالطیب احمد بن الحسین بن عبدالصمد الجعفی الکندی ۳۰۳ ھ میں کوفہ کے مشہور محلہ کندہ میں پیدا ہوا۔ اسکی تعلیم عراق میں علویوں کے بعض مدارس میں ہوئی شیعہ مذہب کے مطابق اصول دین کی تعلیم حاصل کی بچپن سے ہی علم وادب کا شائق تھا۔ وہ بلا کا ذہین، نکتہ رس، بیدار مغز اور قوی الحافظہ تھا۔ شعر وشاعری میں یکتائے زمانہ ویگانۂ روزگار تھا۔ زبان وادب اور لغت میں بھی اسکا ہمسر ومقابل کوئی نہیں۔

ابوالکلام قاسمی

فرعون - تاریخ وتحقیق کی روشنی میں

ماہنامہ برہان دہلی، جون ۱۹۸۴ع جلد ۹۲ شمارہ ٦ ص ۴۹ - ۵۹

فرعون - اصل میں یہ لفظ فارا + اوہ تھا مصری زبان میں «فارا کے معنی محل اور» اوہ کے معنی «اونچا بڑا» تھا اس سے مراد شاہ مصر کی ذات ہوتی تھی۔

فرعون کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا علم نہیں بلکہ قدیم شاہان مصر کا عام لقب تھا۔ سب سے پہلے مصر قدیم کے چوتھے خاندان کے یہاں فرعو کا لفظ شاہی محل کیلئے نظر آتا ہے۔ ۲۵۰۰ ق-م سے لیکر اسکندر رومی تک مصر کے حکمرانوں کو تیس خاندان میں تقسیم کیا گیا ہے جنکے پھر تین دور کئے گئے ہیں قرآن مجید میں جس فرعون کا ذکر حضرت موسی کے واقعات میں آیا ہے وہ انیسویں خاندان اور تیسرے دور کا فرعون تھا

سید محمد ہاشم

محسن الملک

پندرہ روزہ، تہذیب الاخلاق علیگڈھ، ۱۶ - ۳۰ جون ۱۹۸۴ع جلد ۳ شمارہ ۱۲، ص ۸ - ۱۷

محسن الملک بڑی قد آور شخصیت کے مالک تھے وہ ۹ دسمبر ۱۸۳۷ ع کو اٹاوہ (یوپی) کے ایک معزز و ممتاز شہری میر ضامن علی کے یہاں پیدا ہوئے۔ انکا سلسلہ سادات بارہہ سے جاملتا ہے۔ وہ شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں انہوں نے سنی مسلک اختیار کیا۔

سر سید سے انکے تعلقات ۱۸٦۴ ع میں اسوقت قائم ہوئے جب وہ سائنٹیفک سوسائٹی کے ممبر تھے۔

متفرقات

وسیم احمد اعظمی

زبدۃ الطب

ماہنامہ معارف اعظم گڈھ اپریل ۱۹۸۴ع جلد ۱۳۳ شمارہ ۴ ص ۲۹۴- ۳۰۷

«زبدۃالطب» خدا بخش لائبریری کا پٹنہ کا اہم طبی مخطوطہ ہے جسکو مشہور ایرانی طبیب سید اسماعیل جرجانی نے سلطان علاءالدین تکش خوارزم شاہ کیلئے عربی زبان میں تالیف کیا تھا جرجانی نے اپنی تمام فارسی طبی کتابوں کے برخلاف اسکو عربی زبان میں لکھا ہے اس کے عربی طبی کارنامے «زبدۃ الطب» سے نہ صرف عوام بلکہ خواص کا بھی ایک بڑا طبقہ ناواقف ہے۔ یہ ایک قدیم دستاویز ہی نہیں بلکہ موضوعات کے اعتبار اور پیشکش کے انداز سے بھی یہ بے مثال خوبیوں کی حامل ہے۔

حامد علی خان

صغانی کی عربی شاعری

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ مئی ۱۹۸۴ جلد ۱۳۳ شمارہ ۵۵ ص ۳۷۵-۲۹۰

قسط اولین میں حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن اسماعیل قریشی عدوی عمری حنفی صغانی (ولادت ۱۰ صفر ۵۷۷ھ وفات ۲۹ شعبان ۶۵۰ھ) کے ابتدائی حالات و چالیس تصنیفات کا جائزہ لیا ہے۔

شہزادہ محمد داراشکوہ

ترجمہ از ڈاکٹر تنویر احمد علوی

مجمع البحرین

ششماہی نوائے ادب ممبئی اپریل ۱۹۸۴ شمارہ ۱۰ ص ۱۷-۵۲ جلد ۳۴

شہزادہ محمد داراشکوہ نے سچائی کی شناخت یعنی ذات حق کی دریافت اور حقیقت مطلق کے رمز کو پانے کیلئے اہل تحقیق اور اصحاب کمال کی صحبت اختیار کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے دونوں مشربوں کے مابین سوائے لفظی اختلاف کے اور کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔ اس نقطۂ نظر کے تحت انہوں نے ہر دو طبقوں (اہل ہند و اسلام) کی باتوں کو ایک دوسرے سے تطبیق دے کر اور کچھ ایسی باتیں جنکا جاننا طالبان حق کیلئے ناگزیر اور سودمند ہے فراہم کر کے ایک رسالہ بنام «مجمع البحرین» ترتیب دیا ہے۔ جسے ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اردو کا جامہ پہنایا ہے

مصطفیٰ علی فاطمی

سررشتہ تالیف و ترجمہ، جامعہ عثمانیہ

ماہنامہ سب رس حیدرآباد دکن فروری ۱۹۸۴ ع جلد ۴۴ شمارہ ۲۰ ص ۲۲-۲۱

میر عثمان علی خان والی دکن کے زمانے میں مدارس مہتمم تعلیمات سید عمادالملک حسین بلگرامی کے مشورہ سے ساری ریاست حیدرآباد میں تحتانیہ سے فوقانیہ تک مادری زبان اور سرکاری زبان میں اردو تعلیم کا بندوبست ہوا۔ اور عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو میں اعلی تعلیم کیلئے جدید فلسفہ، نفسیات، منطق، اخلاقیات تاریخ سماجی علوم، قانون، دستور، سائنس ریاضی، طب اور انجینیری کی علمی فنی و نصابی کتابوں کا عربی، فارسی، جرمن فرینچ، اور خصوصاً انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے کے غرض سے مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۱۷ع کے فرمان سے جامعہ عثمانیہ کے پیش رو ادارے سر رشتہ تالیف و ترجمہ کا ٦ ستمبر ۱۹۱۷ کو قیام عمل میں آیا۔ اس سررشتہ تالیف کیلئے ایک ناظم اور دس قابل ادیب اور مترجم مقرر کئے گئے۔ تیس سال کے عرصے میں ۳۵٦ کتابیں ترجمے اور طباعت سے آراستہ ہوکر آن یہاں سے شائع ہوئیں

(ڈاکٹر) گیل مینو

(ترجمہ سید شہاب الدین)

ماہنامہ جامعہ دہلی مئی ۱۹۸۴ع جلد ۸۱ شمارہ ۵ ص ۷-۱٦

اردو نسواں پریس - سماجی تاریخ کا ماخذ ڈاکٹر گیل مینو [Gail Minault] امریکن انسٹی ٹیوٹ آف انڈین اسٹڈیز حیدرآباد میں سنیر ریسرچ فیلو ہیں مستقل تعلق

ٹیکساس یونیورسٹی امریکہ کی شعبہ تاریخ سے ہے ڈاکٹر میو ہندوستانی مسلمان عورتوں کے سماجی مسائل پر تحقیق کر رہی ہیں اس سلسلے میں انھوں نے رسالہ پریس کے مطبوعات کو کھنگالا ہے اور اسطرح عورتوں کی ادارت میں نکلنے والے رسالوں اخبار، النساء دہلی، معلم نسواں حیدرآباد [ہند]، معلم شفیق حیدرآباد [ہند]، تہذیب النسواں لاہور، پھول لاہور، خاتون علیگڈھ، عصمت دہلی، شریف بی بی لاہور، خاتون بمبئی، پردہ نشیں آگرہ، ظل السلطان والحجاب بھوپال، النساء حیدر آباد[ہند]، زیب النساء لاہور، شہاب حیدرآباد، خادمہ، ہمجولی، سفینۂ نسواں، اور رسالہ خواتین دکنی حیدر آباد [ہند]، استانی دہلی، خاتون مشرق، نسوانی دنیا، نور، انیس نسواں اور صدائے نسواں دہلی، سہیلی امرتسر، سرتاج ملتان، نورجہاں امرتسر، مسلم جالندھر، حیاء، ضیاء، حریم یوپی سے، مستورات کانپور، حرم پبلی ہیت، کا جائزہ لیا ہے

رضا نقیجی

ممنوع الفاظ

ماہنامہ شاعر بمبئی جلد ۵۴ شمارہ ۱۱ - ۱۲ ۱۹۸۳ ع ص ۲۵ - ۲۸

مضمون ہذا میں زبان کی ایک ایسی غیر اہم شکل ممنوع الفاظ (Taboo Words) کو سماجیات، لسانیات اور نفسیات کے مختلف النوع نظریات کے پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قاضی عبدالودود

دیوان رضا مراد آبادی

سہ ماہی جرنل خدا بخش لائبریری پٹنہ، ۲۴ شمارہ ۱۹۸۳ ع ص ۱ ۱۸

رضا سے متعلق تذکروں نے جو غلط فہمیاں پیدا کردی ہیں انکا ازالہ کرتے ہوئے قاضی صاحب نے رضا کے حالات زندگی تصانیف املا و زبان پر روشنی ڈالتے ہوئے دیوان پیش کیا ہے

Edited by Dr Nizamuddin S Gorekar
Director, Anjuman - i - Islam Urdu Research Institute, Bombay 400 001
Published by Mr Abdul Majeed Patka
General Secretary Anjuman - i - Islam, Bombay 400 001 &
Printed by him from Adabi Printing Press
Saboo Siddik Polytechnic, 8, Shepherd Road, Bombay 400 008

مقالہ نما ذیل کے رسائل سے ترتیب دیا گیا ہے

المعارف — ماہ نامہ
(مدیر: محمد سعید شیخ)
ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

الفرقان — ماہ نامہ
(مدیر: محمد منظور نعمانی)
۳۱، نیا گاؤں (مغربی) لکھنؤ

معارف — ماہ نامہ
(مدیر سید صباح الدین عبد الرحمن)
دار المصنفین، اعظم گڑھ (یو پی)

برہان — ماہ نامہ
(مدیر: سعید احمد اکبرآبادی)
اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶

سب رس — ماہ نامہ
(مدیر: مغنی تبسم)
ادارۂ ادبیات اردو، ایوان اردو
حیدرآباد (آندھرا)

الفاظ — دوماہی
(مدیر احمد سعید خاں)
ایجوکیشنل بک ہاؤس یونیورسٹی مارکیٹ علیگڑھ

فکر و نظر — ماہ نامہ
(مدیر ساجد الرحمٰن)
ادارۂ تحقیقات اسلامی،
اسلام آباد (پاکستان)

شاعر — ماہ نامہ
(مدیر افتخار امام صدیقی)
مکتبہ قصر الادب، بمبئی ۸

کتاب نما — ماہ نامہ
(مدیر: شاہد علی خان)
مکتبہ جامعہ اسلامیہ، جامعہ نگر، دہلی ۲۵

جامعہ — ماہ نامہ
(مدیر. ضیاء الحسن فاروقی)
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۲۵

نوائے ادب — ششماہی
(مدیر: نظام الدین ایس گوریکر)
انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی ۱

شب خون — ماہ نامہ
(مدیرہ: عقیلہ شاہین)
۳۱۳، رانی منڈی، الہ آباد

تہذیب الاخلاق — پندرہ روزہ
(مدیر، سید حامد)
علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ (یو پی)

قومی راج — پندرہ روزہ
(مدیر: ریاض احمد خان)
جرنل انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
سچیوالیہ بمبئی ۳

خدا بخش لائبریری جرنل — سہ ماہی
خدا بخش لائبریری پٹنہ (بہار)



رسائل کے مدیروں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے رسائل و جرائد نوائے ادب میں مقالہ نما کی ترتیب کے لئے ڈائرکٹر کے نام بھیجیں۔ (ادارہ)

مطبوعات و تالیفات

- لمعات گجری (مرتبہ)
- رقعات عالمگیر (مرتبہ)
- مقدمۂ رقعات عالمگیر (مولفہ)
- تاریخ ادب عربی (ترجمہ)
- برطانوی ہند کا نظام سیاسی (ترجمہ)
- سوراج (ترجمہ)
- رہنمائے صحت (ترجمہ)
- ترک موالات دوسرے ممالک میں (ترجمہ)

پروفیسر نجیب اشرف ندوی

- ولی گجراتی (مولفہ)
- نورالمعرفت (مرتبہ)
- غزل ولی تک (مولفہ)
- اردو ایسیر (مرتبہ)

ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی

- اردو مراٹھی شبد کوش (مرتبہ)
- نوائے وقت (مولفہ)
- گلمپسیز آف اردو لٹریچر (مولفہ)
- طوطیان ہند (مرتبہ)
- انڈو ایران ریلیشنز: کلچرل اسپیکٹس (مولفہ)

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر

- نوائے آزادی (مرتبہ)
- مرزا مظہر جان جاناں (مولفہ)
- مکاتیب مرزا مظہر (مرتبہ)
- مبادیات تحقیق (مولفہ)
- راگ مالا (مولفہ)

عبدالرزاق قریشی

نقطے اور شوشے (مصنفہ) ڈاکٹر عابد پشاوری

مخطوطات جامع مسجد بمبئی (مرتبہ) ڈاکٹر حامد اللہ ندوی

مقالہ نما (مرتبہ) رقیہ انعامدار

فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

نوائے ادب، بمبئی

Registration No 32009/50 — رجسٹریشن نمبر ۳۲۰۰۹/۵۰

مقام اشاعت	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱
نوعیت اشاعت	ششماہی
نام پرنٹر	جناب عبدالمجید پالکا، بی، کام (آنرز)
قومیت	ہندوستانی
پتہ	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱
نام پبلشر قومیت پتہ	ایضاً
نام ایڈیٹر	پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ
قومیت	ہندوستانی
پتہ	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱
نام پتہ مالک رسالہ	ایضاً

میں عبدالمجید پالکا تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم میں صحیح ہیں۔

عبدالمجید ای پالکا

• • •

All remittances & correspondence be made to
Prof N S Gorekar, MA, PhD, D Litt
Director
Anjuman-i-Islam Urdu Research Institute
92 Dadabhoy Nawroji Road, Bombay 400 001

•

Annual Subscription

Inland : Rs. 20.00 • Foreign : Pound 5

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے فروری ۱۹۴۷ء میں الحاق ہوا)

اغراض و مقاصد

۱ ایم اے اور پی ایچ ڈی کی تعلیم کا انتظام کرنا
۲ تحقیقی کام کرنے والے طلبہ کی اعانت کرنا
۳ تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون کرنا
۴ ایک جامع کتب خانہ اور دارالمطالعہ کا قیام کرنا
۵ مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کو ترتیب دینا
۶ نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت کرنا
۷ اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی مجلہ کا اجراء کرنا
۸ اردو کے فروغ کے سلسلہ میں ہر امکانی کوشش کرنا

نوائے ادب بمبئی

(۱۹۵۰ء)

(ہر سال دو بار اپریل اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے)

خصوصیات

۱ اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق
۲ گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی بالخصوص اشاعت
۳ اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع
۴ اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت
۵ اردو و دیگر کتب پر تبصرے

(سالانہ چندہ : ۲۰ روپیے)

•

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر
ڈائرکٹر

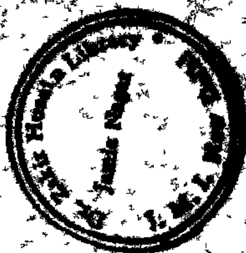
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲ ، دادا بھائی نورو جی روڈ ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱

NAWA-E-ADAB

(BIANNUAL)

VOLUME : XXXIV
OCTOBER
19[illegible]



ANJUMAN-I-ISLAM
URDU RESEARCH INSTITUTE

[illegible]